عقیدہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام پر لاجواب کتاب

قُرَّةُ العُیُون

فی بیان صحۃِ الحدیث

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد عبد الغنی صاحب دامت برکاتہم

اُستاذ مدرسہ رحمانیہ شاخ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی



ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی نمبر ۵

021-34935493

جملہ حقوق ملکیت بحق مکتبۃ الشیخ کراچی محفوظ (C)

نام کتاب ______ **قُرّۃُ العُیون**

تالیف ______ حضرت مولانا مفتی محمد عبد الغنی صاحب دامت برکاتہم

اشاعت اوّل ______ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ اکتوبر 2016ء

ناشر ______ مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی نمبر ۵۔

اسٹاکسٹ

مکتبہ خلیلیہ
دکان نمبر-19، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
0310-2098691, 0321-2098691

مکتبہ زکریا
دکان نمبر 2، قاسم سینٹر، نزد سوبراج ہسپتال، اردو بازار، کراچی
021-32621095, 0312-2438530

قدیمی کتب خانہ، کراچی
کتب خانہ اشرفیہ، اردو بازار، کراچی
اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
مکتبۃ العلوم، بنوری ٹاؤن، کراچی
مکتبہ قاسمیہ، لاہور
مکتبہ حقانیہ، ملتان
مکتبۃ العارفی، فیصل آباد
سیّد احمد شہید، اکوڑہ خٹک

دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
مکتبہ ندوہ، اردو بازار، کراچی
مکتبہ رحمانیہ، لاہور
مکتبہ حرمین، لاہور
ادارہ تالیفات، ملتان
مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
مکتبہ علمیہ، پشاور

نور محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
مکتبۃ انعامیہ، اردو بازار، کراچی
مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی
زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی
المیزان، لاہور
مکتبہ امدادیہ، ملتان
مکتبہ ثانیہ، راولپنڈی
ادارہ اسلامیات، لاہور

ہر دینی کتب خانہ پر دستیاب ہے

فہرست مضامین

قرة العیون

فی بیان صحة حدیث

"الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون"

مقدمه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔ أما بعد

اسلامی عقائد میں ایک ضروری عقیدہ عذابِ قبر وراحتِ قبر کا عقیدہ ہے۔ صحاح ستہ سمیت تمام کتبِ احادیث، خواہ وہ جوامع ہوں یا معاجم، مسانید ہوں یا مراسیل، سنن ہوں یا مصنفات، سب میں قبر کے عذاب وراحت کی احادیثِ کثیرہ صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس سے گزرتے وقت ان میں مدفون لوگوں کو عذاب ہونے کی خبر بھی کثیر واقعاتِ حدیثیہ میں دی ہے، جو کہ صحاحِ ستہ میں بھی مذکور ہیں۔

اور امام ابنِ جریرؒ کی ''تهذيب الآثار''، امام لالکائیؒ کی ''شرح اعتقاد أهل السنة''، علامہ آجریؒ کی '' الشريعة'' اور امام بیہقیؒ کی ''اثبات عذاب القبر'' میں بھی نہایت مفصّل انداز میں ایسی احادیثِ قولیہ وواقعاتِ حدیثیہ بہ روایاتِ صحیحہ مروی ہیں۔ ان احادیثِ صحیحہ میں بہ طورِ خرقِ عادت اور برائے عبرت قبروں سے سماعِ عذاب (صحیحین)، سماعِ تلاوت (ترمذی) اور سماعِ جوابِ سلام (تهذيب الآثار) وغیرہ بھی آیا ہے جو عذاب وراحت کا سلسلہ اسی زمینی قبروں میں ہونے کی واضح نصوص ودلائل ہونے کے ساتھ بعد از موت احساسِ عذاب وراحت کے لئے درکار حیات بھی ان اجساد میں موجود ہونے کا ثبوت ہے۔ امام الحرمین علامہ عبدالملک الجوینیؒ متوفی سنہ ۴۷۸ھ لکھتے ہیں:

فمنها إثبات عذاب القبر.... فإنه من مجوزات العقول

واللّٰه مقتدرعلی إحیاء المیت وأمرالملکین بسؤاله عن ربه ورسوله وکل ماجوزه العقل وشهدت له شواهدالسمع لزم الحکم بقبوله وقدتواترت الاخبار باستعاذة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بربه من عذاب القبر ونقل آحاد من الأخبارفی ذالک تکلف ثم لم یزل ذالک مستفیضًا فی السلف الصالحین قبل ظهور أهل البدع و الأهواء (کتاب الارشاد إلی قواطع الأدلة فی أصول الاعتقاد، للامام الجوینیؒ صفحه:۳۱۷)

”ان (عقائد میں سے ایک) عذابِ قبر کا اثبات ہے ....اس لئے کہ یہ عقلی طور پر امورِ ممکنہ میں سے ہے، کیوں کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ مردے کو زندہ کرے اور دو فرشتوں کو اس سے اس کے رب اور اس کے رسول کے بارے میں پوچھنے پر مامور کرے۔ اور عقل کے کسی چیز کو ممکن قرار دینے کے بعد جب دلائلِ سمعیہ اس کی شہادت دیں، اس کو مان لینا لازم ہے۔ (رہے دلائلِ سمعیہ، سو) اس بارے میں احادیث متواتر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے اپنے رب کی پناہ مانگتے تھے۔ اور ایسی احادیث کو ایک ایک کر کے نقل کرنا تکلف ہے (کہ وہ تو مشہور و مستفیض ہیں) اور بدعتی اور ہوئی پرست فرقوں سے پہلے سلفِ صالحین میں یہ (عقیدہ) ہمیشہ مشہور رہا۔“

امام ابنِ بطالؒ شرحِ صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

”أجمع أهل السنة أن عذاب القبر حق وأن الناس

یفتنون فی قبورهم بعد أن یحیوا فیها ویسئلوا فیها“۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطالؒ. جلد: ۳ صفحه:۳۵۸، ط: مکتبة الرشد، الریاض ۔والتوضیح لابن الملقنؒ جلد:۱۰، صفحه: ۱۵۴، ط: دار النوادر، بیروت)

”اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ عذابِ قبر حق ہے اور اس پر بھی کہ لوگوں کو ان کی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے، ان سے سوالات کئے جاتے ہیں، اس کے بعد ان کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔“

ابنِ بطالؒ لکھتے ہیں:

”اللذة و الألم تجیء بالاحساس فإذا کان کذالک وجب اعتقاد رد الحیاة فی تلک الأجساد وسماعهم للکلام والعقل لایدفع هذا ولایوجب حاجة إلی بلة ورطوبة وإنما یقتضی حاجتها إلی المحل فقط فإذا صح رد الحیاة إلی أجسامهم مع ماهم علیه من نقص البنیة وتقطع الأوصال صح أن یوجد فیهم سماع الکلام (شرح ابن بطال جلد:۳ صفحه :۳۵۹ ونقله منه ابن الملقنؒ فی التوضیح ، جلد۱۰ صفحه :۱۵۴–۱۵۵)

”(نعمتوں کی) لذّت اور (عذاب کی) تکلیف احساس سے ہی متحقق ہوگی۔ اس لئے یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ ان (مدفون) اجسام میں حیات لوٹا دی جاتی ہے اور یہ کہ مدفون لوگ کلام سنتے ہیں۔ جب کہ عقل اس کو رد نہیں کرتی نہ ہی (جسم میں) تراوٹ و رطوبت موجود ہونے کو لازم قرار دیتی ہے، بلکہ وہ تو صرف حیات کے لیے محل کی

ضرورت کا تقاضا کرتی ہے۔ پس جب جسم کی ساخت ٹوٹ جانے اور جوڑ بند ٹکڑوں میں بٹ جانے کے باوجود ان (مُردوں) کے اجسام میں حیات کا لوٹایا جانا صحیح ہے تو ان (مُردوں) میں سماعِ کلام پایا جانا بھی صحیح ہے"۔

حافظ الدنیا امام ابنِ حجر عسقلانیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "فتح الباری" میں لکھتے ہیں:

"الجمهور فقالوا: تعاد الروح الی الجسد او بعضه ... وقد ثبتت الأحادیث بما ذهب الیه الجمهور کقوله: إنه لیسمع خفق نعالهم، وقوله: تختلف أضلاعه لضمة القبر، وقوله: یسمع صوته اذا ضربه بالمطراق، وقوله: یضرب بین أذنیه، وقوله: فیقعدانه. وکل ذالک من صفات الأجساد"۔(فتح الباری جلد۳ صفحه ۲۹۹ ط: دار السلام، الریاض)

"جمہور (اہلِ سنت والجماعت) کہتے ہیں کہ (مُردے کے پورے) جسم یا پھر اس کے کچھ حصے میں دوبارہ روح لوٹا دی جاتی ہے........اور احادیث بھی جمہور کے اس (قبر کی کارروائیاں روح کے ساتھ جسم سے بھی متعلق ہونے کے) مذہب کو ثابت کرتی ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: "مدفون شخص لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سُن رہا ہوتا ہے" اسی طرح یہ ارشادِ نبوی کہ: "قبر کے بھینچنے کی وجہ سے مدفون شخص کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل

ہو جاتی ہیں" اور یہ حدیث کہ: "(عذاب کے فرشتے کے) ہتھوڑا مارنے پر مُردے کی (چیخ کی) آواز (جن و انس کے علاوہ مخلوقات کو) سنائی دیتی ہے" اسی طرح حدیث کے یہ الفاظ کہ: "مُردے کے دونوں کانوں کے بیچ میں مارا جاتا ہے" اور یہ الفاظ کہ: "دو فرشتے مُردے کو (اس کی قبر میں) بٹھاتے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ یہ سب جسم ہی کے اوصاف (اور اجسام سے سرانجام پانے والے افعال) ہیں"۔

مذکورہ بالا تمام عباراتِ اکابرِ محدثین میں عذابِ قبر کے اثبات کے ساتھ بہ درجۂ لازم قبر میں حیاتِ جسدِ عنصری کا بھی اثبات مذکور ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ عذابِ قبر اور قبر میں حیاتِ جسمانی ہونے کے مابین تلازم کی نسبت ہے۔ امام ابنِ خزیمہؒ لکھتے ہیں:

"ادعی ممن أنکر عذاب القبر أن الله لایحیی أحدا فی القبر .... وقد ثبت فی کتاب الله وسنن نبیه صلی الله علیه وسلم خلاف دعواهم الداحضة .... (کتاب التوحید للامام ابن خزیمةؒ، صفحه: ۳۷۴، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت)

"عذابِ قبر کے منکرین کا دعویٰ ہے کہ قبر میں اللہ تعالیٰ کسی کو حیات سے نہیں نوازتے.......جب کہ کتاب اللہ اور سننِ نبویہ سے ان کے اس باطل دعوے کے برخلاف ثابت ہے"۔

اور اہلِ سنت والجماعت جس طرح راحت وعذابِ قبر کے قائل ہیں، اس طرح قبر میں احساسِ راحت وعذاب کے لیے حیاتِ جسمانی کے بھی قائل ہیں۔ صحیح بخاری کے عظیم شارح امام بدرالدین عینی حنفیؒ لکھتے ہیں:

"وإذاثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسائلة، لأن كل من قال بعذاب القبر قال بهما "۔(عمدة القاری جلد:۱۲. صفحہ: ۲۶۴ والعبارة برمتها فی کتاب المواقف للعلامہ عضد الدین الایجیؒ جلد: ۳، صفحہ: ۵۱۹، ط: دارالجیل، بیروت)

"اور جب (مُردوں کو) عذاب دیا جانا (احادیثِ صحیحہ وصریحہ سے) ثابت ہوگیا تو (مُردوں کو ان کی قبروں میں) زندہ کیا جانا اور ان سے سوال جواب ہونا بھی ثابت ہوگیا۔اس لیے کہ ہر وہ شخص جو عذابِ قبر کا قائل ہے وہ مُردوں کو ان کی قبروں میں حیات ملنے اور ان سے سوال جواب ہونے کا بھی قائل ہے۔" (کیوں کہ حیات کے بغیر قبر کا عذاب متصور ہے، نہ ہی سوال وجواب۔اور حیات سے حیاتِ جسمانی مراد ہونا سابق میں مذکور ابنِ حجرؒ وغیرہ کی عباراتِ صریحہ سے واضح ہے)۔

انبیاء علیہم السلام کے اجسام کا بعد از وفات محفوظ رہنا احادیثِ صحیحہ وصریحہ میں منصوص ہے، اس لیے ان کے اجسامِ دنیویہ عنصریہ میں حیات ہونا ظاہر ہے۔ بالخصوص جب کہ ان (سلامتِ اجسادِ انبیاء کی) بے غبار اسانید کی حامل احادیث کے تمام حاشیہ نگار وشارحین کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ ان نفوسِ قدسیہ کی حیات ہی کا اثر ہے۔اور بعض شہداء کے اجسام کا سالم رہنا صحیح بخاری، موطا اور سننِ ابوداؤد وغیرہ کی احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔اور ان مدفون اجساد میں حیات ہونا بھی محلِ اشکال نہیں، کیوں کہ حیات کے لیے درکار محل مکمل موجود ہے۔اور جن لوگوں کے اجسام مٹی ہوجاتے ہیں، ان کے بعض اجزاء کا محفوظ رہنا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ اور حیات کے لیے درکار محل بننے کے لیے بعض اجزائے جسم کافی ہیں، جب کہ اجزائے ارضیہ بن جانے والے اجزائے جسمانی کی حیات

وادراک بھی بعید نہیں، کیوں کہ قیامت کے روز زمین کا اپنے اوپر انجام پانے والے اعمال کے بارے میں بتانا قرآن میں مذکور ہے۔اور بتانے کے لیے باخبر ہونا اور باخبر ہونے کے لیے حیات وادراک وضروری ہے۔ شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ لکھتے ہیں:

"تحدث اخبارها "أى الأمور عمل عليها من خير و شر سواء قول مسموع أوفعل مرئى فتحدث به يوم القيامة والجلود تنطق أنطقها الله الذى أنطق كل شيء فلاتستبعدهذه "۔(شرح زادالمستنقع للشیخ العثیمین جلد۵صفحہ ۳۸۵ط:دارابن الجوزی.الریاض)

"(ارشادِ ربانی کہ:) "زمین اپنی خبریں بتادے گی"، یعنی جو بھی عمل اس پر کیا گیا ہے، اچھا ہو یا برا، سنائی دینے والی کوئی بات ہو یا نظر آنے والا کوئی کام، قیامت کے دن زمین سب کچھ بتادے گی۔ (قیامت کے دن تو) انسان کی کھالیں بھی بولیں گی اور وہ ذات اس کو قوّتِ گویائی دے گی کہ جس نے سب کو گویائی دی ہے، اس لیے ان چیزوں کو مستبعد نہ سمجھا جائے۔"

راقم عبدالغنی (کان اللہ لہ) عرض کرتا ہے کہ قرآن کریم میں (آسمان کے ساتھ) زمین کا بھی اللہ کا حکم سننا اور جواباً" أتينا طائعين "کہنا، اللہ کی طرف سے "عرضِ امانت" پر قبول کرنے سے "انکارِ اجلال" کرنا، قومِ نوح علیہ السلام پر بطورِ عذاب آنے والے "سیلِ آب" کو نگل لینے کا حکمِ ربانی ہونا اور اس کی تعمیل میں زمین کا سارا سیلابی پانی نگل جانا، اسی طرح قیامِ قیامت پر رب کا حکم سننے کے بعد اپنے اندر سے تمام مُردوں کو چلتی پھرتی زندگی کے ساتھ اگل دینا اور اپنے رب کی اطاعت کرنا وغیرہ مذکور ہے۔اس کے علاوہ

احادیثِ صحیحہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (پہچان کر) مکہ مکرمہ کے ایک پتھر کا (جو کہ جزوِ ارضی ہے) سلام کرنا، کوہِ اُحد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھہر جانے کا حکم کرنا اور کوہِ اُحد کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا وغیرہ ثابت ہے، اس لیے نصوص سے ثابت ہونے کے بعد بعض اجسادِ انسانی کے اجزائے ارضیہ میں تبدیل ہونے کے باوجود مرنے والے افرادِ انسانی کا ادراک وسماع ایسی حقیقتِ حقہ ہے کہ جو ''عقلِ مسلم'' کے عین مطابق بلکہ تخاطب وتکلمِ ارضی کی نصوصِ بالا کو تسلیم کرنے کا زینہ ہے۔ انہی حقائق کے پیشِ نظر تمام اسلامی فرقے آپس میں بیسیوں اختلافات رکھنے کے باوجود حیاتِ قبریہ پر مبنی عذابِ قبر کے عقیدے پر متفق ہیں۔ اور جب کبھی کسی ''غیر'' نے اس اساسی عقیدے کے انکار کو کسی فرقے کی چھتری فراہم کرنے کی کوشش کی تو اس فرقے کے ذمہ داروں نے اس سے وہ چھتری چھین لی اور اس قسم کے عقیدے سے براءت کا اعلان کیا۔ چناں چہ کچھ بدباطنوں نے جب عقیدۂ عذابِ قبر کا انکار کیا اور اس کے بعد اس عقیدۂ باطلہ کے پرچار کے لیے فرقۂ معتزلہ کا پلیٹ فارم استعمال کرنے کی کوشش کی تو اکابرِ معتزلہ نے اس باطل عقیدے اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے واضح الفاظ میں براءت اور لاتعلقی کا اعلان کیا۔ امام علاء الدین مغلطائیؒ متوفی سنہ ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

''ذکر القاضی عبدالجبار رئیس المعتزلة ومصنفهم فی کتاب الطبقات من تالیفه: إن قیل إن مذهبکم أداکم إلی إنکار عذاب القبر وهو قد أطبقت علیه الأمة وظهر فیه الآثار والدلائل قیل إن هذا الأمر إنما أنکره ضرار بن عمر و ولما کان من أصحاب وأصل ظنوا أن ذالک مما أنکرته المعتزلة ولیس الأمر کذالک بل

المعتزلة رجلان أحدهما یجوز ذالک کما وردت به الاخبار والثانی یقطع بذالک وأکثر شیوخنا یقطعون بذالک (شرح سنن ابن ماجه للامام المغلطائیؒ جلد: ۱، صفحه: ۱۵۹، ط: مکتبة نزار مصطفی الباز، وعمدة القاری للامام العینیؒ جلد: ۴، صفحه: ۲۹۶، وانظر: العرف الشذی للامام الکشمیریؒ علی هامش سنن الترمذی جلد: ۱، صفحه: ۲۰۶)

''فرقہ معتزلہ کے رئیس ومصنف قاضی عبدالجبار نے اپنی تصنیف ''کتاب الطبقات'' میں ذکر کیا کہ اگر یہ کہا جائے کہ تمہارے مذہب (مذہبِ اعتزال) نے ہی تو تمہیں یہاں تک پہنچایا کہ تم عذابِ قبر کے منکر بن بیٹھے، حالاں کہ اس (عذابِ قبر کے عقیدہ) پر تو ساری امت کا اجماع ہے اور اس بارے میں آثار ودلائل واضح ہیں۔ تو (جواب میں) کہا جائے گا کہ اس (واضح اور اجماعی عقیدے) کا انکار صرف ضرار بن عمرو (معتزلی) نے کیا ہے۔ یہ (ضرار) چوں کہ (بانیٔ فرقہ معتزلہ) واصل (بن عطاء) کے شاگردوں میں سے تھا تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ فرقہ معتزلہ عذابِ قبر کا منکر ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ معتزلہ تو دو قسم کے لوگوں کا نام ہے: ایک وہ کہ جو عذابِ قبر کو امرِ ممکن کہتے ہیں، جیسا کہ احادیث میں ہے۔ دوسرے وہ کہ جو عذابِ قبر (کے وقوع) کو قطعیت کے ساتھ مانتے ہیں۔ اور ہمارے اکثر مشائخ اس (عذابِ قبر کے وقوع) کو قطعیت کے ساتھ مانتے ہیں''۔

یہ رئیس المعتزلہ آگے لکھتے ہیں:

''إنما ینکرون قول طائفة من الجهلة إنهم یعذبون وهم

موتی"۔(شرح سنن ابن ماجه للمغلطائی (نقلا من کتاب الطبقات للقاضی المذکور) الموضع السابق)

"ہاں،فرقہ معتزلہ جاہلوں کی ایک جماعت کے اس قول کا انکار کرتا ہے کہ مُردوں کوان میں حیات لوٹائے جائے بغیر ہی (قبروں میں) عذاب دیا جاتا ہے"۔

یعنی متقدمینِ معتزلہ پوری امتِ مسلمہ کی طرح واضح نصوص کے پیشِ نظر حیاتِ قبریہ کے ساتھ عذابِ قبر کے قائل ہیں۔اور ایسے عذابِ قبر کے منکر ہیں جو حیاتِ قبریہ کے بغیر تسلیم کیا جائے،جیسا کہ بعض بددینوں کا خیال ہے۔رئیس المعتزلہ کے اس اظہارِ لاتعلقی کے باوجود اکثر متاخرینِ معتزلہ نے اس دونمبر کے اعتزال کی ہمنوائی کی۔(دیکھئے:عمدة القاری للامام بدر الدین العینیؒ،جلد:۱۲،صفحہ:۱۲۴)۔رئیس المعتزلہ کی اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ حدِغلوتک عقل پرستی کے باوجود بہ حیثیتِ فرقہ متقدمینِ معتزلہ کو اس اجماعی عقیدے کے انکار کی جرأت نہ ہوئی،اور وہ برملا ایسے عقیدے سے اپنے فرقے کی براءت وبیزاری کا اظہار کرتے رہے۔مگر نصوص کی بجائے مخصوص کچھ اصولِ عقلیہ وکلیاتِ فلسفیانہ پرمبنی یہ فرقۂ مبتدعہ اس عقیدۂ ضروریہ کے انکار سے آخر محفوظ نہ رہ سکا۔چناں چہ ان کے پیرو اس اجماعی عقیدے کے منکر ہو گئے کہ جس کا اجماعی ہونا ان کے رئیسِ مذکور اپنی عبارتِ بالا میں تسلیم کر چکے۔سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہے کہ حیاتِ قبریہ پرمبنی عذابِ قبر کا عقیدہ پوری امتِ مسلمہ کے درمیان اجماعی ہے،جب کہ انکارِ عذابِ قبر کا نظریہ دونمبر کے معتزلیوں کا مخصوص نظریہ ہے،جس کی وجہ سے منکرِ حیاتِ قبریہ وعذابِ قبر کو معتزلی،جمادی، پتھری اور کبھی حجری کہا جاتا ہے۔

....

علامہ محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ شرحِ مسلم میں لکھتے ہیں:

"والذی یتحصل بالنظر فی النصوص أن الموت و إن کان عبارة عن مفارقة الروح للجسد ولکن یبقی للروح بعد الموت علاقة مابالجسد الذی فارقته وبهذه العلاقة یتالم الجسد بعذاب القبر و یتنعم بنعیم البرزخ"۔

(تکملة الفتح، جلد:٦،صفحه:١٩،ط:دارالقلم، بیروت)

"نصوص میں غور کرنے سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ "موت" اگرچہ جسم سے روح کے الگ ہونے کا نام ہے،مگر موت کے بعد روح کا یک گونہ تعلق اس جسم سے رہتا ہے کہ جس (جسم) سے وہ الگ ہوئی ہے۔اور اسی تعلق کی وجہ سے جسم عذابِ قبر کی تکلیف کو بھی محسوس کرتا ہے اور برزخی نعمتوں سے بھی محظوظ ہوتا ہے"۔

آگے لکھتے ہیں:

"ولکن هذه العلاقة لاتکون لجمیع الموتی علی مستوی واحد....بماأن هذه العلاقة فی عامة الموتی ضعیفة جدا فإن أجسادهم تاکلها الأرض.... وأما الشهداء فعلاقة أرواحهم باجسادهم أقوی... حتی أن الأرض لاتاکل أجسادهم فأطلق القرآن علیهم اسم الأحیاء...فحیاتهم جسمانیة.....وأماالأنبیاء علیهم الصلوة والسلام فعلاقة أرواحهم بأجسادهم الشریفة أقوی العلاقات التی تتصور فی إنسان بعد طریان الموت علیه وأن هذه العلاقة

القویة قد أثرت علی بعض الأحکام الدنیویة أیضا فلاتقسم أموالهم بین ورثتهم ولایجوز أن ینکح أزواجهم بعد وفاتهم "۔(المرجع السابق)۔

"لیکن سب مُردوں میں یہ تعلق برابر درجے میں نہیں ہوتا....... چناں چہ عام مُردوں میں یہ (روح وجسم کا) تعلق بہت کمزور قسم کا ہوتا ہے، اور (عموماً) ان کے اجسام کو مٹی کھا جاتی ہے........ اور شہداء کی ارواح کا ان کے اجسام سے تعلق بہت قوی ہوتا ہے، یہاں تک کہ (اس نوع کی حیات ان کے اجسام کو حاصل ہونے کی وجہ سے) زمین ان کے اجسام کو نہیں کھاتی۔ اس لیے قرآن نے ان کو زندہ کہا کہ ان کی یہ (قبر والی) حیات جسمانی ہے .... اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کا اپنے اجسادِ شریفہ سے تعلق بعد از موت کسی بھی انسان میں متصور سب سے زیادہ قوی تعلق جو ممکن ہوسکتا ہے، اس درجے کا ہوتا ہے۔ اور اس قوی تعلق نے بعض احکامِ دنیویہ پر بھی اثر ڈالا۔ چناں چہ ان (انبیاء علیہم السلام) کے اموال ان کے ورثہ میں (بطورِ میراث) تقسیم نہیں کیے جاتے اور ان کی وفات کے بعد ان کی ازواج سے نکاح جائز نہیں ہوتا"۔

نبی اور شہید کے علاوہ مؤذن اور حافظِ قرآن کے اجسام بھی بعدِ موت زمین کی دست برد سے محفوظ رہنا طبرانی، عبدالرزاق اور ابنِ مندہ کی روایات میں آیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری نہ ہونے کی وجہ بعدِ موت ان نفوسِ قدسیہ کو ملنے والی جسمانی حیات کا ہونا مفسرین و مصنفینِ کتبِ سیرت کے علاوہ امام الحرمین علامہ عبدالمالک

الجوینیؒ متوفی سنہ ۴۷۸ھ نے بھی اپنی مشہور فقہی تصنیف "نهایة المطلب" میں نہایت شاندار انداز میں بیان کیا ہے۔ اور اس پر عمل درآمد کو حضرت صدیقِ اکبرؓ کے عقیدۂ حیاۃ الانبیاء پر مبنی قرار دیا ہے۔ علامہ جوینیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"قال صلی الله علیه وسلم نحن معاشر الأنبیاء لانورث فکان ماخلفه علی ماکان علیه فی حیاته وکان الصدیقؓ ینفق منه علی أهله وخدمه ویراه باقیاعلی ملک رسول الله صلی الله علیه وسلم لأن الأنبیاء أحیاء وهذا هو الصحیح الموافق لسیرة الصدیق "۔(نهایة المطلب فی درایة المذهب للامام الجوینیؒ، جلد۱۲ صفحه۲۱ ط: دار المنهاج، جدة)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ہم جماعتِ انبیاء کی میراث جاری نہیں ہوتی" چناں چہ آپ کا متروکہ مال اسی حالت پر رہا جس حالت پر آپ کی حیات میں تھا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ اس مال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام پر خرچ کیا کرتے تھے، اور آپؓ اس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ مال) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں بہ دستور باقی سمجھتے تھے، کیوں کہ سب انبیاء (اپنی قبروں میں) زندہ ہیں۔ اور یہی صحیح ہے جو کہ سیرتِ صدیقؓ کے مناسب بھی ہے"۔

بعد کے خلفاءؓ نے بھی صدیقؓ کے فیصلے سے اتفاق کرکے ضمناً حیاۃ الانبیاء کے مسئلے کو صاف کردیا۔ اس سے واضح ہے کہ حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ شروع دن سے ہی اجماعی چلا آرہا ہے۔ اور اجماع کتاب وسنت کی طرح قطعی دلیل ہے (کما فی کتبِ أصولِ الفقه)

اور متواترِ حکمی ہے (کمافی شرح العقائد)۔ اس لیے یہی اس عقیدے کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ آج کے دور کے بدفہم وبددین احادیثِ حیاۃ الانبیاء کو اخبارِ آحاد کہہ کر اثباتِ عقائد کے لیے ناکافی کہہ دیتے ہیں۔ جب کہ:

اولاً: تو مضمونِ حدیث پر اجماعِ امت کی بنا پر یہ متواتر کے حکم میں ہے۔

ثانیاً: حیاتِ شہداء کی نصِ قرآنی کی عبارت و دلالت اس حدیث کی اصل ہے (کمافی تکملة الفتح وغیره)

ثالثاً: یہ نری خبرِ واحد نہیں، اس حدیث کو پوری امتِ مسلمہ کی طرف سے سندِ قبولیت ملی ہوئی ہے اور اس کے مضمون پر پوری امتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ اس کا ثبوت ہے۔ ائمۂ اربعہ میں سے امام احمدؒ کا عقیدہ تھا:

"الأنبیاء احیاء فی قبورهم یصلون (وکان یقول: إن الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون"۔ (اعتقاد الامام المبجل ابن حنبل، ص: ۳۰۳، العقیدة (روایة ابی بکر الخلال) ص: ۱۲۱)

مالکیہ کہتے ہیں:

"الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون"۔ (منح الجلیل شرح مختصر الخلیل، ج: ۳ ص: ۲۴۸ وفتح العلی المالک فی الفتوی علی مذهب الامام مالک، ج: ۱ ص: ۳۹ و ۴۰)

شافعیہ کہتے ہیں:

"الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون"۔ (تحفة المحتاج شرح المنهاج، ج: ۳ ص: ۱۵۲، ونهایة المحتاج لشمس الدین الرملی، ج: ۳، ص: ۳۲۰)

حنفیہ کہتے ہیں:

"الأنبیاء أحیاء فی قبورهم کماورد فی الحدیث"۔
(رسائل ابن عابدین للعلامة الشامی ج: ۲ صفحه: ۲۰۲ ورد المحتار، ج: ۴ صفحه: ۱۵۱)

اور اس طرح کی حدیث کی صحت کا قطعی اور اس کے مضمون کا یقینی ہونا کتبِ مذاہبِ اربعہ و کتبِ اصولِ حدیث میں مذکور ہے۔ تلقئ امت بالقبول کے بعد وقوفِ عرفہ کی فرضیت و رکنیت "الحج عرفة" کی حدیث جیسی خبرِ واحد سے ثابت ہونا شامی وغیرہ میں بھی مذکور ہے، تو حیاتِ انبیاء کا ثبوت ایسی خبرِ واحد سے کیوں نہیں ہوسکتا؟

رابعاً: بر سبیلِ تنزل، احوالِ قبر اور حساب و کتاب وغیرہ امورِ غیبیہ اخرویہ کی تفصیلات اخبارِ آحاد ہی سے تو ثابت ہیں، کماقال اللکنویؒ، وهو الظاهر من کتب العقائد، تو انبیاء علیہم السلام کے احوالِ قبریہ اخبارِ آحاد سے کیوں ثابت نہیں ہوسکتے؟؟!!۔

خامساً: عذابِ قبر کی احادیث سے حیاتِ قبریہ ثابت ہونا پہلے گزر چکا ہے، اور عذابِ قبر کی احادیث متواتر ہیں۔ (العقیدة الواسطیة، کتاب الارشاد، کتب عقائد و شروحِ حدیث) لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ قبریہ بھی عذاب و نعیمِ قبر کی احادیثِ متواترہ سے ثابت ہونا واضح ہے، اور زیرِ نظر حدیث صحیح و صریح میں اسی کی تصریح ہے۔ البتہ اس میں حیات الانبیاء فی القبور کی تصریح کے ساتھ عملِ صلوٰۃ کی انجام دہی کے الفاظ میں دراصل اس حیاتِ قبریہ کے (بہ تعلقِ روح و جسم) جسمانی ہونے کے علاوہ عام لوگوں کی بہ نسبت ان نفوسِ قدسیہ کی قبروں میں حیات بہ درجہا فائق اور اعلیٰ و اتم ہونے کا ذکر ہے جو کہ مقامِ نبوت کے عین مناسب ہی نہیں، عین مقتضیٰ بھی ہے۔ بعض مدعیانِ علم غیر مقلدین کی روش اپناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث "مخصوص" کتبِ حدیث میں نہیں ہے، اس لیے ہم اس کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔ جب کہ صحتِ حدیث ہو یا درجۂ صحت، دونوں کا مدار سند پر ہے۔ مخصوص کتب میں ہونے پر نہیں، حتیٰ کہ محقق ابن الهمامؒ نے فتح القدیر میں اس کو ہٹ دھرمی قرار دیا ہے۔

ماضیٔ قریب کے حنفی محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ، عظیم محقق محدّث، راقم کے استاد حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ ودیگر اکابر محدّثین نے نہایت مدلل طریقے سے اس نظریے پر رد کیا ہے۔ یہ دراصل دلائلِ حنفیہ پر لکیر پھیرنے کا نظریہ ہے، جس کا اصولِ حدیث سے زیادہ اصولِ تعصبِ مذہبی سے تعلق ہے، اس لیے مردود ہے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ (متوفی سنہ ۷۷۴ھ) تو مسندِ احمد کی ایسی کثیر تعداد احادیث کو صحیح بخاری ومسلم کی احادیث کا ہم رتبہ قرار دیتے ہیں کہ جو صرف صحیح بخاری ومسلم ہی نہیں، بلکہ باقی سننِ اربعہ میں بھی ان کا کوئی وجود نہیں۔ (اختصار علوم الحدیث للامام ابن کثیرؒ، صفحہ: ۳۷) اور آگے صفحہ: ۳۸ پر امام ابنِ کثیرؒ نے مسندِ ابویعلی اور مسندِ بزار (کہ جن میں حیاتِ انبیاء کی زیرِ بحث صریح حدیث مذکور ہے) کا ذکر کر کے فرمایا کہ "ان کتابوں میں بھی ایسی احادیثِ صحیحہ موجود ہیں"۔ سو حافظ ابن کثیرؒ نے طبقاتِ متاخرہ کی کتب میں مذکور احادیث کو صحیحین جیسی طبقۂ اولی کی کتب میں درج احادیث کا درجہ دے کر واضح کر دیا کہ کسی بھی حدیثِ صحیح کا درجہ متعین کرنے کے لیے مدار اس حدیث کی سند ورجالِ سند ہے، طبقاتِ کتب کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ مقدمۂ موضوعات میں امام ابن جوزیؒ نے چوں کہ ہر صحیح حدیث کی اصل صحاحِ ستہ میں ہونا ذکر کیا ہے جو کافی حد تک معقول بھی ہے، اس لیے بندہ نے زیرِ نظر رسالے میں قبروں میں حیات وصلوۃِ انبیاء کی حدیث کی اصل کے طور پر صحاحِ ستہ سے اس نوع کی احادیث بھی ذکر کر دی ہیں اور ائمۂ اربعہ سے منقول مؤید روایات بھی، تاکہ اطمینانِ قلب کو جلاء ملے اور امام ابنِ جوزیؒ کے مطابق صحاح ستہ میں اصلِ حدیثِ صحیح موجود ہونے کا مطالبہ بھی پورا ہو۔ ورنہ کثیر تعداد اکابر محدّثین کی طرف سے زیرِ نظر حدیث کی صحت کی صراحت اور اس کی اسانید کے ایک ایک راوی کی توثیق کے بعد اس کی چنداں ضرورت نہ تھی، کیوں کہ توثیقِ رجال ورواۃ سے تحققِ صحت کے بعد جب اکابر محدثین کی تصریحِ صحت سے احتمالِ علتِ خفیہ بھی ختم ہو گیا تو اس کے بعد صحتِ حدیث میں کوئی شبہ نہیں رہا، اس لیے کہ اس کے بعد کوئی چیز ایسی نہیں رہی کہ جس پر صحتِ حدیث موقوف ہو۔

....

واضح رہے کہ اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور یہ عقیدہ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، اور یہی حدیث زیرِ نظر رسالے کا اصل موضوع ہے۔ راقم الحروف اس حدیث کی سات اسانید پر مطلع ہو سکا ہے جن میں سے تین اسانید صحیح لذاتہ ہیں اور چار صحیح لغیرہ۔ صحیح لذاتہ تین اسانید کے سارے راوی محدثین وماہرینِ فنِ رجال کی نظر میں ثقہ ہیں۔ جب کہ صحیح لغیرہ کی چار اسانید میں صرف ایک حسن بن قتیبہ نامی راوی کے علاوہ سب ہی راوی ثقہ ہیں۔ اور اس ابنِ قتیبہ میں خطا ومخالفتِ ثقات کی بات ابنِ حبانؒ نے ہی ذکر کی ہے کہ جس کو بعد کے حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا۔ مگر ابنِ حبانؒ نے جس کتاب میں یہ بات ذکر کی ہے، وہ ثقہ راویوں کے حالات کی کتاب ہے اور اس کتاب کا نام ہے "کتاب الثقات" (کمایاتی)۔ جس سے واضح ہے کہ ابنِ قتیبہ "ثقہ راوی ہیں، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ پختہ یاد رکھنے والے کسی راوی سے اس کی تائید ملے۔ اس لیے اس ابنِ قتیبہؒ کی اسانید تائیدی روایات کے پیشِ نظر صحیح لغیرہ ہونا ظاہر ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حسن ابن قتیبہؒ کے دین واعمال پر کسی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علامہ جمال الدین قفطیؒ (متوفی سنہ ۶۴۶ھ) نے ان کو ائمۂ اثبات یعنی ثقہ ائمہ میں شمار کیا ہے۔ (انظر: إنباه الرواة للقفطيؒ جلد: ۳ صفحہ: ۲۲۸ رقم الترجمة: ۲۲۷) جب کہ کسی بھی راوی میں سب سے اہم چیز اس کی عدالت وثقاہت ہی ہوتی ہے جو کہ ابنِ قتیبہ میں موجود ہے۔

....

انبیاء علیہم السلام کی یہ حیاتِ قبریہ چلت پھرت والی مکمل حیاتِ دنیویہ نہیں، بلکہ جسم وروح کے تعلق کے ساتھ ہونے کی بنا پر جسمانی ہے۔ اور جسم چوں کہ زمینی قبر میں ہے،

اس لیے یہ حیات ان حضرات کو "لحد" یعنی زمینی قبر میں حاصل ہے۔امام ذہبیؒ نا قابلِ تاویل لفظ "لحد" کے ساتھ فرماتے ہیں: "وھو حی فی لحدہ"۔(سیر اعلام النبلاء،ج: ۹ ص: ۱۶۱) "آپ ﷺ اپنی "لحد" (روضۂ اطہر) میں زندہ ہیں"۔اور اس حیاتِ جسمانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں سماعِ صلوۃ وسلام فرماتے ہیں، جب کہ قریب سے پیش کیا جائے، دور کہیں سے ہو تو مقررہ فرشتوں کے پہنچانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے سنتے ہیں اور دونوں ہی صورتوں میں بعدِ سماع جواب بھی دیتے ہیں۔اور فقیہ النفس وتبحر فی المذہب، سرتاجِ علمائے دیوبند علامہ رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔(فتاوی رشیدیہ ج:۱ص:۱۰۰) اور امام ابن الملقن شافعیؒ لکھتے ہیں:

"والأمة مجمعة علی زیارة قبر سیدنا محمد ﷺ وأبی بکر وعمرؓ"۔(التوضیح شرح صحیح البخاری ج:۹ص:۵۱۳)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت پر امت کا اجماع ہے"۔

صحاح ستہ کے علاوہ درود شریف کے موضوع پر لکھی گئی عربی کتابوں میں سماعِ درود (قریب کا بہ نفسِ نفیس اور دور کا بواسطۂ ملائکہ) کی احادیثِ صریحہ اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ مذکور ہیں، اس لیے روضۂ مبارکہ پر حاضری دینے کا اجماعی نظریہ واضح ہے۔اب اس نظریے کے برخلاف یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور ہر جگہ سے بذاتِ خود سنتے ہیں (جیسے جہلِ مرکب کے حامل بریلویوں کا عقیدہ ہے) پھر روضے کے پاس جانے کی کیا ضرورت؟ یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو روضے کے پاس سے بھی نہیں سنتے (جیسے گمراہ مماتی لوگ کہتے ہیں) پھر وہاں جانے کا کیا فائدہ؟ یہ دونوں نظریے امتِ مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہو کر مردود و باطل ہیں۔اور وفاتِ نبوی پر وار خطبۂ

صدیقِ اکبرؓ سے انکارِ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم معتزلہ اور اس فرقے کے ہم عقیدہ لوگ ہی کرتے ہیں۔(کما قال الامام العینی الحنفیؒ فی شرح صحیح البخاری ج:۸، ص:۱۸۵) اور انکارِ حیات النبی وسماعِ صلوٰۃ وسلام از قریب کی نسبت امام ابنِ تیمیہؒ کی طرف کرنا غلط ہے، جیسا کہ فتاویٰ ابن تیمیہؒ سے واضح ہے۔اور دعاوی المناوئین میں ہے:

"أما المفترون علی ابن تیمیة بأنه لایری حیاة الانبیاء فھذا باطل بل ھو صرح بحیاتھم فی قبورھم"۔

"ابن تیمیہؒ پر افتراء پردازوں کا یہ افتراء کہ وہ حیاۃ الانبیاء کے قائل نہ تھے، باطل ہے، کیوں کہ انہوں نے تو صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں"۔

اسی طرح بعض سلفی ونجدی جواس کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ بھی صریح غلط ہے، جیسا کہ اتحاف النبلاء سے واضح ہے۔یہ دونوں حضرات شرک وبدعت کے خلاف تا حیات حدِ غلو تک جدوجہد کرتے رہنے کے باوجود حیات النبی کے بھی قائل تھے اور سماع عند الروضۃ کے بھی، کیوں کہ یہ پوری امت کا عقیدہ ہے۔روضے کے پاس جا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پکارنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کی حدیثِ صحیح مسندِ ابویعلیٰ وغیرہ میں ہے۔حضرت ام کلثوم بنتِ ابی بکرؓ کا اپنی بہن حضرت عائشہ بنتِ صدیقؓ سے یہ کہنا کہ: (اگر تم نے میرا رشتہ فلاں شخص سے کرنے پر اصرار کیا) لأصیحن علی قبر رسول اللہ ﷺ (أسد الغابة، الاستیعاب، مشیخة ابن عساکر، تاریخ دمشق وغیرہ) "میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کے چیخوں گی" اس سے صدیقِ اکبرؓ کی مذکورہ دونوں صاحبزادیوں کا عقیدۂ حیات وسماع من الروضۃ واضح ہے۔اور صدیقِ اکبرؓ کا عقیدۂ حیات امام الحرمینؒ کی زبانی پہلے گزر چکا ہے۔

اور عقیدۂ سماع من الروضۃ پر ان کی وہ وصیت دلالت کرتی ہے کہ جس میں انھوں نے احاطۂ روضہ میں اپنی تدفین کو طلبِ اجازت کے بعد روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ اجازت ملنے سے مشروط کیا۔(رواه الخطیب فی روة مالک وابن عساکر فی تاریخه و السیوطی فی الخصائص ووذکره العلامة الغزیؒ فی حسن التنبه والامام الرازی فی تفسیره ونقله المحدث الدهلوی والمجدد التهانویؒ) ۔حضرت عائشہؓ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس کے گھروں سے کیل ٹھونکنے کی آواز آنے پر تڑپ جاتیں اور کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دو۔(کمافی الخلاصة) ۔حضرت عمرؓ نے حضرت کعب احبارؒ کو بعدِ قبولِ اسلام سرزمینِ شام سے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دینے کی تلقین کی۔(فتوح الشام) نیز آپؓ نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو "مضجع" یعنی "خواب گاہ" سے تعبیر کیا۔(بخاری، کتاب الجنائز) جو حیات پر دال ہے۔(کمایدل علیه کلام الامام السبکیؒ فی لفظة "مرقد" من سورة یٰس: إنه یشعر بالحیاة لأن الرقاد للحی ۔شفاء السقام، ص: ۲۰۴) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر صیغۂ خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا موطأ امام مالک سمیت بہت سی کتبِ احادیث میں ہے، جو قارئین اس رسالے کے آخری صفحوں میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اس کی وجہ امام ابنِ تیمیہؒ (جو کہ شرک وبدعات کے خلاف جدوجہد کی دنیا میں مشہور شخصیت ہیں) کے رنگ میں رنگے ہوئے ان کے خاص الخاص شاگرد امام ابن القیمؒ یہ لکھتے ہیں:

"وهٰذا خطاب لمن یسمع ویعقل ....والسلف مجمعون علی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بأن المیت یعرف زیارة الحی له ویستبشر به(الروح، ص:۷، ط:دار الفکر)

"یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے سمجھتے ہیں.........سلف کا اس پر اجماع ہے، اور اس بارے میں ان سے آثارِ متواترہ منقول ہیں کہ وفات یافتہ

شخص زندہ شخص کی زیارت کو (اس کی آواز سے) پہچانتا ہے اور اسے اس سے خوشی بھی ہوتی ہے"۔

اور حضرت ابنِ عمرؓ کے علاوہ حضرت انسؓ کا (جو کہ زیرِ بحث حدیثِ حیاۃ الانبیاء کو زبانِ نبوت سے براہِ راست سننے والے ہیں) روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنا شعب الایمان للبیهقیؒ،شرف المصطفی لأبی سعد النیسابوریؒ، إمتاع الأسماع للمقریزیؒ،القول البدیع للسخاویؒ،الشفاء للقاضی عیاضؒ، الدر المنثور للسیوطیؒ، إحیاء العلوم للغزالیؒ وغیرہ میں مذکور ہے۔اسی طرح حضرت عمرؓ کی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری مسندِ بزار میں، حضرت علیؓ کی حاضری سننِ دارقطنی میں، حضرت معاذ بن جبلؓ کی حاضری معرفة الصحابةؓ میں مذکور ہے۔ اور بھی متعدد صحابہؓ کے متعلق کتابوں میں تصریح آئی ہے، جس سے قریب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ الم نشرح ہو جاتا ہے۔اس لیے علمائے دیوبند کی کتبِ فتاوٰی میں متفقہ طور پر یہ عقیدہ درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روضے کے پاس سے خود صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور دور کا فرشتوں کے پہنچانے پر سماع فرماتے ہیں۔ دیکھیے: کفایۃ المفتی، جلد:۱ صفحہ: ۲۰۲، وغیرہ۔ حضرت مجدد تھانویؒ سے سندِ اعتدال حاصل کرنے والے مناظرِ اہلِ سنت والجماعت علامہ محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں: اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری گزارش بہ نفسِ نفیس سُن رہے ہیں، پورے ادب کے ساتھ ہلکی آواز سے سلام عرض کیجیے!۔(آپ حج کیسے کریں، صفحہ:۹۲، ط:دار الاشاعت)

....

زیرِ نظر رسالے کا موضوع جو حدیث ہے، اس میں یہ ہے کہ "انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں"۔اور "قبر" سے زمینی قبر مراد ہونا امام ذہبیؒ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ نیز نصوص میں اسی معنی میں یہ لفظ استعمال ہونا متبادر اور متوارث

طریقے سے ثابت ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے لیے ''قبور'' کا لفظ جمع کے ساتھ استعمال ہونا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہیں، جب کہ برزخ تو عالمِ واحد ہے کہ جس میں بعدِ وفات سب لوگ ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ معراج کے دوران راستے میں نماز پڑھتے نظر آئے، وہ سرخ ٹیلے کے پاس کی زمینی قبر ہی میں نظر آئے، اس لیے زیرِ بحث حدیث میں زمینی قبر ہی مراد ہونا واضح ہے کہ یہ اسی قولی حدیث کی تشریح وتصدیق پر مشتمل فعلی حدیث ہے۔ اور قبر میں جسم ہوتا ہے، اس لیے قبر میں یہ حیات جسمانی ہونا بھی ظاہر ہے۔ حدیث کے اس مضمون پر ایمان، امام ذہبیؒ کے بقول واجب ہے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد: ۹، ص: ۲۲۰) اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ کے بقول: تمام اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز وعبادات میں مشغول ہیں......... بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ (حیاتِ نبوی، صفحہ: ۲) علامہ تورپشتی حنفیؒ کی المعتمد فی المعتقد، ملا علی قاری حنفیؒ کی شرحِ شفاء، امام شمس الدین ذہبیؒ کی سیر أعلام النبلاء، علامہ سبکیؒ کی طبقات الشافعیة الکبری، علامہ سخاویؒ کی القول البدیع، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کی الدر المنضود وغیرہ میں بھی حدیث کے اس مضمون کے عقائد میں سے ہونے کی تصریح ہے۔ جو مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے لیے قبر میں دودھ پلانے والی مقرر کیے جانے کو برحق سمجھے گا (کمافی صحیح مسلم) اس کے لیے یہ عقیدہ کوئی بڑی بات نہیں۔ اور جو مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکمل دنیوی حیات کے ساتھ زندہ تسلیم کرتا ہو، اصحابِ کہف کے کئی سو سال تک بحالتِ نیند (بہ تعلقِ روح) زندہ رہنے کو مانتا ہو، اس کے لیے یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ سوالات اٹھائے جائیں کہ وہ لوازماتِ زندگی کہاں سے پورے کرتے ہیں............ وغیرہ، وغیرہ۔ بالخصوص جب کہ حیاتِ

انبیاء کا مطلب روح وجسم کے تعلق کے ساتھ حیاتِ جسمانی ہے، جیسے دنیا میں سوتے میں ایسی حیات ہوتی ہے اور امام ذہبیؒ نے اس بارے میں اصحابِ کہف کی مثال بھی پیش کی ہے، مگر ہیں وہ (انبیاء علیہم السلام) جہانِ دیگر اور عالمِ آخرت کی پہلی منزل میں۔ جہاں خرقِ عادت کے عادت ہونے کا نظام رائج ہے، سامانِ اکل وشرب میں دیدہ، شنیدہ نہ ہونے کی شرط عائد ہے، انسانی خیال کے دائرے میں داخل اشیائے خورد ونوش پر پابندی عائد اور ماوراء کی اجازت ہے، اس لیے کہ نبی کی قبر تو جنت کا ٹکڑا ہوتی ہے (''القبر روضة من ریاض الجنة'' کمافی العقیدة الطحاویةو شرح العقائد وغیرهما) اور جنت کے احوال یہی ہیں، اس لیے جنت کے مکین کے بارے میں ایسی گھٹیا باتیں ایمان کے فطور کے علاوہ نہایت گستاخانہ بھی ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایمان کی سلامتی نصیب فرمائے (آمین)۔ اور جو مسلمان امورِ مابعد الموت کو ''ایمان بالغیب'' کے تحت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سمجھ کر تسلیم کرنے کو ''ایمان'' سمجھے گا، وہ اس زیرِ بحث حدیث کو اسی طرح اپنا عقیدہ بنائے گا جیسے پوری امت نے اس کو اپنا عقیدہ بنایا ہے۔

آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہ صد عجز ونیاز دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور محض اپنے فضل سے اسے قارئین کے لیے مفید، راقم کے لیے ذریعۂ شفاعتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور متلاشیانِ حق کے لیے حصولِ ہدایت کا باعث بنائے۔ آمین بوسیلة النبی الکریم علیه الصلوٰة والسلام فی کل حین۔

کتبہ: محمد عبدالغنی کان اللہ لہ

فاضل درسِ نظامی وتخصص فی الحدیث والافتاء

جامعة العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی

۱۴۳۵/۳/۳۰ھ

تین صحیح لذاتہٖ روایات

(۱)

مسند ابو یعلیٰ کی روایت

(۱)

مسند ابو یعلیٰ کی روایت

''حدثنا ابو الجهم الاز رق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالک ؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔''(۱)

'' ابوالجہم ارزق بن علی نے ہمیں حدیث بیان کی ،فرمایا: ہمیں یحیٰ بن ابی بکیر نے حدیث سنائی ،فرمایا: ہمیں مستلم بن سعید نے حدیث سنائی ،حجاج سے ،انہوں نے ثابت سے ،انہوں نے انس بن مالک ؓ سے (انس بن مالک ؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں ،نماز پڑھتے ہیں۔''

امام بیہقیؒ (احمد بن الحسین) متوفی ۴۵۸ھ مسند ابو یعلیٰ کی اس روایت کو اپنی سند سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

''اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبا ابو عمرو بن حمدان قال ابویعلی الموصلی ثنا ابو الجهم الا زرق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس بن مالک ؓ قال قال رسول الله صلی الله

(۱)مسند ابی یعلی الموصلی جلد ٦ صفحه ١٤٧ رقم ٣٤٢٥ تحقیق حسین سلیم اسد طبعة مكتبة الرشد الرياض (السعودية) ط الاولى ١٤٣٠ھ ٢٠٠٩ء .

علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۲)

محدث ہیثمیؒ (ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر) متوفی ۸۰۷ھ زوائد مسند ابو یعلی میں بعینہ مسند ابویعلی کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" حدثنا ابو الجهم الا زرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۳)

امام بوصیری (ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ابی بکر) متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

"قال ابو یعلی الموصلی ثنا ابو الجهم الازرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔" (۴)

علامہ صالحی شامیؒ (محمد بن یوسف) متوفی ۹۴۲ھ مسند ابویعلی کی سند اس طرح نقل کرتے ہیں:

"وروی ابویعلی: حدثنا ابو الجهم الا زرق بن علی حدثنا

(۲)حیاۃ الانبیاء فی قبورهم للبیهقیؒ صفحه ۳ رقم : ۱. وشفاء السقام لتقی الدین السبکیؒ صفحه ۱۸۰ الباب التاسع.

(۳)المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی للهیثمیؒ جلد ۳ صفحه ۱۳۱ رقم الحدیث ۱۲۳۹ طبعة دار الکتب العلمیة بیروت ،تحقیق سید کسروی حسن.

(۴) اتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة للبوصیریؒ جلد ۹ صفحه ۱۹۴ رقم الحدیث ۸۸۰۲ طبعة مکتبة الرشد. الریاض.

یحیی بن ابی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج (زاد ابن عدی:ابن الاسود) عن ثابت البنانی۔"(۵)

حافظ ابن حجرؒ (ابوالفضل احمد بن علی) متوفی ۸۵۲ھ ان الفاظ میں مذکورہ بالا روایتِ مسند ابویعلی نقل کرتے ہیں۔

" قال ابو یعلی:حد ثنا ابو الجهم الاز رق بن علی ثنا یحیی بن ابی بکیر....... ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۶)

نقطوں کی جگہ حافظ ابن حجرؒ نے حسن بن قتیبہ کی سند جو کہ مستلم بن سعید میں جا کر ابویعلی کی سند کی طرح ہے وہ ذکر کی ہے اس لیے کہ مستلم سے روایت کرنے والے حسن بھی ہیں یحییٰ بھی۔ یہ دراصل مستلم سے روایت کرنے میں تفردِ حسن بن قتیبہ کے اعتراض کی نفی ہے جیسا کہ آگے آئیگا۔

مسند ابویعلی کی روایت کو مذکورہ بالا تمام محدثین نے ابویعلی کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اور مسند ابویعلی کی سند کے رجال سے آگاہ ہونے کے لیے ان میں سے کسی بھی کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے اس لیے ہم نے یہاں ان تمام حوالوں کو جمع کر دیا ہے تا کہ ہر قاری اپنے ہاں میسر ان میں سے کسی بھی کتاب سے ابویعلی کی سند کے رجال معلوم کر کے اس سند کی صحت کو جانچ سکے۔

(۵)سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد للعلامة الصالحیؒ جلد ۱۲ صفحه ۳۵۲۔

(۶)المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة لابن حجر العسقلانیؒ جلد ۱۴ صفحه ۲۲۶ رقم الحدیث ۳۴۲۶ طبعة دار العاصمة السعودیة.

صحت سندِ بالا پر ائمہ حدیث کی تصریحات

ابویعلیٰ کی سندِ مذکور سے مروی اس حدیث کے بارے میں اکابر محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

امام ابن الملقن (سراج الدین ابوحفص عمر بن علی) متوفی ۸۰۴ھ امام بیہقیؒ کا قول یہ نقل کرتے ہیں:

"قال البیهقی: وقدروی من حدیث یحیی بن ابی بکیر عن المستلم بن سعید به قال ای البیهقی فی غیر هذاالکتاب .وهذا اسناد صحیح۔"(۷)

"امام بیہقیؒ نے فرمایا: اور یہ حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون) یحیی بن ابی بکیر نے مستلم بن سعید سے اسی سند سے روایت کی ہے (آگے انہوں نے مسند ابویعلیٰ کی سند سے روایت نقل کی) اور فرمایا۔ یعنی بیہقی نے اس (حیات الانبیاء فی قبورهم سے موسوم) کتاب کے علاوہ اپنی ایک دوسری کتاب میں فرمایا کہ یہ (مسند ابویعلیٰ کی سند) سندِ صحیح ہے"۔

امام ابن الملقنؒ متوفی ۸۰۴ھ آگے فرماتے ہیں:

"وهو کما قال لان رجاله کلهم ثقات۔"(۸)

"اور یہ سند واقعی اس طرح ہے (صحیح ہے) جیسے انہوں نے (بیہقیؒ نے) فرمایا اس لیے کہ اس (سند) کے سارے راوی ثقہ ہیں"۔

---

(۷) البدر المنیر لابن الملقنؒ جلد ۱۳ صفه ۱۶۸، ۱۶۷ طبعة دارالعاصمة، الریاض.

(۸) البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والأثار الواقعة فی الشرح الکبیر لابن الملقن المصری الشافعیؒ جلد: ۱۳ صفحہ: ۱۶۷-۱۶۸.

علامہ احمد بن عبدالرحمٰن ساعاتیؒ متوفی ۱۳۱۷ھ ابن الملقنؒ سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صحّ ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کذاقال ابن الملقنؒ وغیره۔"(۹)

"صحیح سند سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ابن الملقنؒ نے اسی طرح فرمایا ہے اوران کے علاوہ (حضرات) نے بھی"۔

اسانید حدیث پر گہری نظر رکھنے والے مشہور محدث علامہ ہیثمیؒ (نور الدین علی بن ابی بکر) متوفی ۸۰۷ھ فرماتے ہیں:

"عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون رواه ابو یعلی والبزار ورجال ابی یعلی ثقات۔"(۱۰)

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ اسکو ابویعلیٰ اور بزار نے روایت کیا اور ابویعلیٰ کے سارے راوی ثقہ ہیں"۔

معروف سیرت نگار محدث علامہ سمہودیؒ (علی بن عبداللہ) متوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں:

"ولابن عدی فی کامله وابی یعلی برجال ثقات عن انسؓ مرفوعاً: الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون

---

(۹) الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ جلد ۲ صفحه ۱۱۱ باب فضل الصلوٰة علی النبیؐ صلی الله علیه وسلم.

(۱۰) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهیثمی جلد ۸ صفحه ۲۱۱ رقم الحدیث ۱۳۸۱۲ طبعة مطبعة القدسی. القاهرة.

وصححه البیهقی ؒ ۔"(۱۱)

"اورابن عدی کی" الکامل" میں، نیز ثقہ راویوں کی سند سے ابو یعلیٰ (کی مسند) میں یہ حدیث حضرت انس ؓ سے مرفوعاً آئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں اور بیہقی ؒ نے اس (حدیث) کو صحیح کہا ہے"۔

امام ابن کثیر ؒ زیر نظر حدیث کی تصحیح استدلالی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وجاء فی حدیث رواه أبو یعلی الموصلی فی مسنده عن أنس ؓ مرفوعًا: الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون ۔" (الفصول فی اختصار سیرة الرسول لابن کثیر ؒ باب مااختص به دون غیره من الأنبیاء)

"اورایک حدیث میں آیا ہے جوکہ امام ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں حضرت انس ؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں"۔

سندھ کے معروف محدث علامہ مخدوم ابوالحسن الصغیر سندھی ؒ لکھتے ہیں:

"صحّ عن النبی علیه الصلوٰة والسلام مایدل علی ثبوت الحیاة للانبیاء فمنه ماخرجه ابن عدی فی کامله و ابو یعلی برجال ثقات عن انس ؓ مرفوعا: الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون وصححه البیهقی ؒ کما ذکره السمهودی ؒ فی الخلاصة و أورده الارد بیلی فی شرح المصابیح ایضا۔"(۱۲)

"نبی علیہ الصلوٰة والسلام سے ایسی صحیح احادیث مروی ہیں جو حیاتِ انبیاء پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جو ابن عدی نے اپنی "الکامل" میں جبکہ ابویعلیٰ نے ثقہ راویوں سے حضرت

(۱۱) خلاصة الوفاباخباردار المصطفی جلد ۱ صفحه ۳۵۰.

(۱۲) انباء الانباء فی حیاة الانبیاء للمخدوم ابی الحسن المسندی المدنی صفحه ۲ طبعة اکادیمیة الشاه ولی الله حید رآباد سند.

انس ؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں،، امام بیہقی ؒ نے اس کو صحیح (حدیث) قرار دیا ہے جیسا کہ سمہودی ؒ نے "الخلاصة" میں ذکر کیا ہے۔ اوراردبیلی ؒ نے بھی اپنی "شرح المصابیح" میں اس کو نقل کیا ہے"۔

یاد رہے کہ علامہ اردبیلی ؒ (جمال الدین محمد بن عبد الغنی) متوفی ۶۴۷ھ کی "الازهار شرح المصابیح" نہایت مستند اور بلند پایہ کتاب ہے، عون المعبود شرح سنن ابی داود، میں تو اس شرح کے حوالے صفحے صفحے پر بکھرے پڑے ہیں، سیرت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے، البتہ یہ کتاب راقم کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے راقم "انباء الانباء" کے حوالے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔

شارح سیرتِ ابن ہشام علامہ سہیلی ؒ اس حدیث کی تصحیح استدلالی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفی المسند من طریق أنس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الأنبیاء أحیاء یصلون فی قبورهم ۔" (الروض الأنف للسهیلی ؒ، ۱/ ۸۹، باب هل الشهداء أحیاء فی قبورهم)

"اور (امام ابویعلی کی) مسند میں حضرت انس ؓ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں"۔

برصغیر کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں:

"ابویعلیٰ بہ نقل ثقات از روایت انس بن مالک ؓ آوردہ: قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۱۳)

"ابویعلیٰ نے ثقہ راویوں کی سند سے حضرت انس بن مالک ؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں"۔

(۱۳) مدارج النّبوة جلد۲ صفحه ۴۴۷ جذب القلوب الی دیار المحبوب صلی الله علیه وسلم صفحه ۱۸ کلا هما للشیخ عبد الحق الدهلوی ؒ.

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ (ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد) متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

''وقد جمع البیهقیؒ جزء فی حیاة الانبیاء فی قبورهم واستدل بکثیر من الاحادیث السابقة وبا الحدیث الصحیح: الانبیاء فی قبورهم یصلّون۔''(۱۴)

''امام بیہقیؒ نے قبروں میں انبیاء علیہم السلام کے زندہ ہونے پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں انہوں نے پیچھے مذکور بیشتر احادیث سے استدلال کیا ہے، اور اس صحیح حدیث سے بھی کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔''

علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ متوفی سنہ ۱۰۴۴ھ امام بیہقیؒ کی روایت کے حوالے سے زیرِ نظر حدیث کی تصحیح استدلالی اس طرح فرماتے ہیں:

''فقد روی البیهقیؒ... عن أنسؓ أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون۔'' (السیرة الحلبیة ۲/ ۳۳۲، ط: دار المعرفة)

''امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں''۔

نیل الاوطار کے مشہور مصنف قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

''قد ثبت فی الحدیث انّ الانبیاء احیاء فی قبورهم ....وصححه البیهقیؒ۔''(۱۵)

''حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اس (حدیث) کو امام بیہقیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔''

سبل السلام شرح بلوغ المرام اور توضیح الافکار لمعانی تنقیح

(۱۴) الدر المنضود فی الصلوٰة و السلام علی صاحب المقام المحمود للهیتمیؒ صفحه ۹۵ طبعة دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۱۵) نیل الاوطار للشوکانی جلد ۳ صفحه ۲۶۴ وعون المعبود شرح سنن ابی داود جلد ۳ صفحه ۲۶۱.

الانظار وغیرہ مشہور عالم کتابوں کے مصنف علامہ امیر صنعانیؒ (ابوابراہیم محمد بن اسماعیل متوفی ۱۱۸۲ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ثبت فی الاخبار بانهم یصلون فی قبورهم فاخرج ابو یعلی والبیهقیؒ عن انسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔''(۱۶)

''احادیث سے ثابت ہے کہ یہ حضرات (انبیاء علیہم السلام) اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، چنانچہ ابویعلیٰ اور بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔''

یاد رہے کہ مذکورہ عبارت میں جو ''ثابت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ یہاں ''صحیح'' کے معنی میں ہے۔

''والمجوّد و الثابت یشملان ایضا الصحیح۔'' (۱۷)

'' مجو د ''اور ''ثابت'' کے الفاظ '' صحیح ''کو شامل ہیں''۔

محدث مناویؒ فیض القدیر میں لکھتے ہیں:

''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون رواه ابو یعلیٰ عن انس بن مالکؓ وهو حدیث صحیح۔''(۱۸)

''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں'' یہ حدیث ابویعلیٰ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے''۔

اور '' التیسیر ''میں موصوف فرماتے ہیں:

''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون عن انسؓ قال السمهودیؒ رجاله ثقات وصححه البیهقی۔'' (۱۹)

(۱۶) جمع الشتیت فی شرح ابیات التثبیت للصنعانی صفحه ۱۵۸.

(۱۷) تدریب الراوی جلد ۱ صفحه ۱۰۵.

(۱۸) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد ۳ صفحه ۱۸۴.

(۱۹) التیسیر بشرح الجامع الصغیر للمناویؒ ایضاً جلد ۱ صفحه ۸۶۷ طبعة مکتبة الامام الشافعیؒ. الرّیاض۔

''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں''۔ یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ میں حضرت انسؓ سے روایت کی گئی ہے، سمھودیؒ نے کہا کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں، اور بیہقیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔''

اس میں علامہ مناویؒ مسند ابو یعلی میں مذکور حدیثِ بالا کی سند کے رجال کی توثیق میں علامہ سمھودیؒ سے اور سند کی تصحیح میں امام بیہقیؒ سے اتفاق کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

''کنوز السنة النبوية،، میں ہے:

''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء فى قبورهم يصلّون . صحيح رواه ابو يعلى۔،،(۲۰)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے''۔

علامہ نجم الدین (محمد بن محمد) غزّی متوفی سنہ ۱۰۶۱ھ اس حدیث کی تصحیح استدلالی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''انه حى فى قبره وان زيارته فى قبره كزيارته قبل مماته وهذه مسئلة لايشك فيها احدمن اهل البصائر.....وروى ابونعيم والبيهقى عن انسؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم قال :الانبياء احياء فى قبورهم'' (حسن التنبه للعلامه الغزّیؒ جلد ا صفحه ۳۷۰ ط:دارالنوادر.بيروت)

''یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر حاضری دینا وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری دینے کی طرح ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ کسی اہلِ بصیرت کو اس میں شک نہیں.... امام ابونعیمؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں''۔

اپنے علاوہ کسی کی تصحیح حدیث پر اعتماد نہ کر کے میدانِ حدیث کو بطور ''وادیٔ تیہ،،

(۲۰) کنوز السنة النبوية. لبارع عرفان توفيق جلد ا صفحه ۱۲۹ رقم ۲۲۔

لینے والے مشہور نجدی عالم شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

''ثبت عنه صلى الله عليه وسلم انّه قال: الانبياء احياء فى قبورهم يصلوّن اخرجه ابو يعلى با سناد جيد۔،، (۲۱)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، ابو یعلیٰ نے یہ حدیث سندِ جید کے ساتھ روایت کی ہے۔''

تصحیح حدیث میں وہمی کی حد تک متشدد یہ شیخ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''الانبياء احياء فى قبورهم يصلّون. صحيح (ع) عن انسؓ۔،،(۲۲)

''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں،، یہ (حدیث) صحیح ہے مسند ابو یعلیٰ میں ہے حضرت انسؓ کی روایت ہے۔''

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ومن طريق ابى يعلى اخرجه البيهقى قال: اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبأ ابو عمرو بن حمدان قال انبأ ابو يعلى الموصلى. قلت: وهذااسناد جيد رجاله كلهم ثقات۔،،(۲۳)

''ابو یعلیٰ کی سند سے امام بیہقیؒ نے اس (الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون) کو روایت کیا، چنانچہ فرمایا: ہمیں ثقہ اہلِ علم (محدث) نے حدیث سنائی، فرمایا: ابو عمرو بن حمدان نے یہ حدیث بیان کی، فرمایا! ابو یعلیٰ موصلی نے یہ حدیث سنائی (آگے مسند ابو یعلیٰ کی سند سے حدیث مذکور روایت کی).....میں (البانی) کہتا ہوں کہ یہ سند جید ہے اور اس کے سارے ہی راوی ثقہ ہیں۔''

(۲۱) احكام الجنائز للالبانى صفحه ۲۱۳

(۲۲) صحيح الجامع. للشيخ الالبانى رقم الحديث ۲۷۹۰۔

(۲۳) سلسلة الاحاديث الصحيحة جلد ۲ صفحه ۱۸۹۔

اور جید کا لفظ صحیح کے معنی میں ہونا پہلے گزر چکا ہے خود شیخ البانی ایک جگہ پر فرماتے ہیں:

"الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون .وهو حدیث صحیح کما تبیّن لی بعد ان وقفت علی متابع له......فکتبت بحثاحققت فیه صحة الحدیث۔"(۲۴)

"انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں،، یہ صحیح حدیث ہے جیسا کہ اس کی ایک متابع (سند) ملنے کے بعد میرے سامنے یہ آشکارا ہوگیا،، (آگے لکھتے ہیں) چنانچہ میں نے اس حدیث کے بارے میں ایک بحث تحریر کی، جس میں اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا۔"(۲۵)

(۲۴) سلسلة الاحادیث الضعیفة جلد ۱ صفحه ۳۶۶ تحت رقم الحدیث ۲۰۲.

(۲۵) بندہ نے یہاں شیخ البانی کی عبارت کا ضروری حصہ نقل کیا ہے متروکہ حصہ میں شیخ کی تعلیاں ہیں۔ شیخ کی عبارت کا متروکہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

"قال البیهقیؒ: انه تفرد به فکتبت فیه صحة الحدیث وان التفرد المشار الیه غیر صحیح." (سلسلة الاحادیث الضعیفة جلد ۱ صفحه۳۶۶)

"بیہقیؒ نے فرمایا کہ راوی (حسن بن قتیبہ) اس روایت میں متفرد ہیں تو میں نے ایک مضمون لکھا جسمیں اس حدیث کی صحت تحقیق سے ثابت کی نیز یہ بھی ثابت کیا کہ بیہقیؒ نے جس تفرد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ درست نہیں"۔

اس میں تفرد کے دعوے کی نسبت امام بیہقیؒ کی طرف کی گئی، جبکہ امام بیہقیؒ نے اس کو صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض محدثین نے اس میں تفردِ راوی (حسن بن قتیبہ) کا اعتراض کیا ہے اور اس کے بعد خود بیہقیؒ نے ہی دفع تفرد کیلئے ابویعلیٰ کی روایت صحیحہ پیش کردی (جزء حیاۃ الانبیاء رقم ۱ ورقم ۲) تو بیہقیؒ نے تو دفع تفرد کیا ہے نہ کہ دعوائے تفرد۔

بالخصوص پچھلے حوالوں میں متفقہ طور پر امام بیہقیؒ کی طرف اس روایت کی تصحیح ذکر کی گئی ہے پھر ان کی طرف تفرد کی نسبت؟ چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ اس کے بعد شیخ کا یہ کہنا کہ بیہقیؒ کے تفرد کے قول کے خلاف مجھے متابع سند ملی یہ بیہقیؒ کا علم چرانے کے مترادف ہے۔۔

مشہور محدث وسیرت نگار امام زرقانیؒ شرح موطا میں فرماتے ہیں:

جمع البیهقیؒ کتابا لطیفاً فی حیاة الانبیاء وروی فیه باسناد صحیح عن انسؓ مرفوعاً الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون۔"(۲۶)

"امام بیہقیؒ نے حیاۃ الانبیاء پر ایک کتابچہ لکھا ہے اور اس میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت انسؓ سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی کہ الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلّون (انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

مسند ابویعلیٰ کے مشہور محقق شیخ حسین سلیم اسد اس حدیث کے بارے میں حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"اسناده صحیح۔"(۲۷)

"اس (حدیث) کی سند صحیح ہے،،

تحقیق وتخریج کتب حدیث ورجال حدیث کے فلک پر روشن ستارہ بن کر ابھرنے والے عظیم محقق شیخ شعیب ارنؤوط لکھتے ہیں:

حدیث:"الانبیاء احیاء فی قبورهم،،صحیح بطرقه اخرجه ابویعلی الموصلی فی مسنده الورقه ۱۶۸ وابو نعیم فی تاریخ اصبهان ۲،۸۳ والبزار فی مسنده ۲۵۶ والبیهقیؒ فی حیاة الانبیاء من حدیث انس بن مالک۔"(۲۸)

(۲۶) شرح الزرقانی علی الموطا جلد ۴ صفحه ۳۴۷۔

(۲۷) الحاشیه ۱ علی مسند ابی یعلیٰ جلد ۶ صفحه ۱۴۷ رقم ۳۴۲۵۔

(۲۸) الحاشیه ۱ علی سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحه ۱۶۱ طبعة مؤسسة الرسالة۔

"الانبیاء احیاء فی قبورھم،، یہ حدیث اپنی (مختلف) اسانید کے ساتھ صحیح ہے اس کی تخریج ابو یعلی موصلیؒ نے اپنی مسند (قلمی نسخے کے) صفحہ ۱۶۸ میں ابونعیمؒ نے تاریخ اصفهان ۲ : ۸۳ میں اسی طرح بزارؒ نے اپنی مسند (قلمی نسخے کے) صفحہ ۲۵۶ میں نیز بیہقیؒ نے حیاۃ الانبیاء میں حضرت انسؓ کی روایت سے کی ہے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری شریف کی شہرۂ آفاق شرح" فتح الباری،، کی جلد ۶ کے صفحہ ۵۹۵ پر رقم الحدیث : ۳۴۴۱ کے تحت اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

"وصحّحه البیهقی۔" "(یعنی: بیہقی نے اس کو صحیح حدیث کہا ہے)۔

جب کہ اس سے پہلے جلد مذکور کے صفحہ ۵۹۴ پر اس کی سند کے رجال کی مفصل توثیق ذکر کی ا(اسکو ہم آگے مفصل ذکر کرینگے) اس سے خود حافظ الدنیا امام ابن حجرؒ کے نزدیک بھی اس حدیث کا صحیح ہونا واضح ہوجاتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

"ووافقه الحافظ فی المجلد السادس۔،،(۲۹)

"حافظ (ابن حجرؒ) نے (فتح الباری کی) جلد ششم میں (اس حدیث کو صحیح قرار دینے میں) ان (امام بیہقیؒ) سے اتفاق کیا ہے"۔

اور اس عبارت میں خود امام کشمیریؒ کا حافظ ابن حجرؒ سے اس حدیث کی تصحیح (صحیح قرار دینے) میں اتفاق کرنا عیاں ہے۔

علامہ، امام، حافظ انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں نمایاں مقام کے حامل، علوم

(۲۹) فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۶۴۔

کشمیریؒ کے امین، محبّ العلم و محبوب العلماء، شارحِ سنن ترمذی، عظیم فقیہ و محدث، اسلامی جامعات کی دنیا میں آفتابِ نیم روز بن کر ابھرنے والا عظیم اور مشہورِ عالم ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ (علامہ بنوری ٹاؤن) کے بانی علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

حیاۃ لرسل فی القبور حقیقة
وجاء به نص الحدیث المجود
رواه امام بیهقی مصححاً
وذاک دلیل جاء فیه لمرتد (۳۰)

"قبروں میں پیغمبروں کی حیات (زندہ ہونا) حقیقت ہے۔ اور اس پر جید حدیث کی نص آئی ہے۔ اس (حدیث) کو امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ سو اس (حیات الانبیاء کے) بارے میں یہ عظیم دلیل ہر (غفلت اور جہالت کی) چادر تان رکھنے والے کے لئے ہے"۔

علامہ بنوریؒ کے تلمیذ و داماد، حیات مستعار کے ایک ایک لمحے سے متمتع ہونے کے خوگر، ہمارے محبوب استاد و مربی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر ثالث ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے شیخ کے اشعار مذکورہ پر حاشیہ قائم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"المجوّدُ من جوّد الشیئ: حسنه وجعله جیدًا و المراد به الحدیث الصحیح۔،،(۳۱)

"شعر میں مذکور" المجود" کا لفظ: جوّد الشیء بمعنی:"شے کو اچھا اور عمدہ (جید) کیا" سے ہے اور یہاں (حدیث مجود سے) حدیث صحیح مراد ہے"۔

(۳۰) القصائد البنوریة صفحه ۹۳ طبعة مجلس الدعوة والتحقیق الاسلامی. کراچی۔

(۳۱) الحاشیة ۲ علی القصائد البنوریة صفحه ۹۳.

ائمۂ حدیث کی طرف سے سندِ مذکور کے ایک ایک راوی کی توثیق

سیرت شامیہ کے مصنف علامہ صالحی شامیؒ (محمد بن یوسف) متوفی ۹۴۲ھ ابو یعلی کی سند کے تمام راویوں کی مفصل توثیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قال الحافظ فی التقریب: ابو الجهم الازرق صدوق یغرب ویحیی بن ابی بکیر من رجال البخاری والمستلم بن سعید قال الامام احمد: شیخ ثقة وقال النسائی: لا بأس به وذکره ابن حبان فی الثقات وقال الحافظ : صدوق عابد ربما وهم وشیخه الحجاج قال الحافظ عبد الغنی بن سعید فی ایضاح الاشکال: هو حجاج بن حجاج وهو حجاج الاسود الذی روی عنه جعفر بن سلیمان ومستلم بن سعید وهو حجاج الباهلی وهو الحجاج بن الحجاج وهو حجاج الأحول وهو حجاج زق العسل .انتهی.وحجاج هذا قال الامام احمد: لیس به بأس وقال ابن معین : ثقة وقال ابو حاتم : ثقة من الثقات صدوق وقال الحافظ: ثقة وثابت لا یسأل عنه۔"(۳۲)

"حافظ (ابن حجرؒ) نے "التقریب" (تقریب التهذیب) میں فرمایا: ابو

(۳۲) سبل الهدی و الرشاد فی سیرة خیر العباد (المعروف با السیرة الشامیة) جلد ۱۲ صفحه ۳۵۶ طبعة دار الکتب العلمیة۔

الجهم الازرق، یہ نہایت سچے ہیں غریب روایات (بھی) روایت کرتے ہیں۔ یحیی بن ابی بکیر، یہ بخاری شریف کے راویوں میں سے ہیں (جو سب کے سب ثقہ ہونے کی بناء پر محتاجِ بیان نہیں) مستلم بن سعید، سوان کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ شیخ ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی قباحت کی بات نہیں۔ امام ابن حبانؒ نے ان کو "الثقات" (نامی کتاب) میں (ثقہ راویوں میں) ذکر کیا ہے۔ حافظ (ابن حجرؒ) فرماتے ہیں کہ یہ بہت سچے اور عبادت کے خوگر ہیں۔ ان (مستلم) کے شیخ (اس سند میں) حجاج ہیں۔ حافظ عبدالغنی بن سعیدؒ نے ایضاح الاشکال میں فرمایا کہ یہ حجاج بن حجاج ہیں اور یہ دراصل وہی (حجاج) ہیں جو حجاج الاسود کہلاتے ہیں۔ کہ جن سے جعفر بن سلیمان اور مستلم بن سعید روایت کرتے ہیں۔ اور یہ حجاج باہلی ہیں۔ جو کہ حجاج بن حجاج ہیں۔ اور یہ حجاج احول ہیں۔ اور یہ (بعینہ) زق العسل (شہد کا مٹکا) کہلانے والے حجاج ہیں۔ (عبدالغنی بن سعید کا کلام) ختم ہوا۔ اس حجاج کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں: اس میں قباحت کی کوئی بات نہیں۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔ ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: یہ ثقہ لوگوں میں سے ایک ثقہ ہیں۔ بہت سچے ہیں۔ حافظ (ابن حجرؒ) فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔ معتبر راوی ہیں ان کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔"

علامہ صالحیؒ نے اس میں حجاج نامی راوی کو حجاج باہلی الاحول قرار دیکر حافظ عبد الغنی بن سعیدؒ کے حوالے سے فرمایا کہ یہ وہی حجاج ہیں جو کبھی حجاج الاسود بھی کہلاتے ہیں، اور آگے حجاج باہلی کے بارے میں علمائے امت کے الفاظ توثیق نقل کر دیئے۔ لیکن جمہور محدثین حجاج باہلی الاحول اور حجاج الاسود کو دو الگ راوی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام

عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی "الجرح والتعدیل" میں، ابن حبانؒ نے اپنی "الثقات" میں، امام ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" میں، اور ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" وغیرہ میں دونوں کو الگ الگ راوی قرار دیا ہے۔ امام جمال الدین یوسف مزیؒ متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

"وذکر غیر واحد ان حجاج بن حجاج الباهلی الاحول غیر حجاج الاسود القسملی فممن فرق بینهما عبد الرحمن بن ابی حاتم۔"(۳۳)

"متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے کہ حجاج بن حجاج باہلی الاحول یہ حجاج الاسود قسملی کے علاوہ (ایک دوسرے راوی) ہیں۔ چنانچہ ان دونوں کو الگ راوی قرار دینے والوں میں سے عبدالرحمٰن بن ابی حاتم بھی ہیں"۔

یاد رہے کہ یہ دونوں ہی راوی ثقہ ہیں۔ دونوں بصرہ کے تھے اور ہم عصر تھے بعض تلامذہ (مثلاً جعفر بن سلیمان) دونوں حجاج کے شاگرد رہے۔ نام میں تو اشتراک تھا ہی۔ ان اسباب کی بناء پر بعض حضرات کو دونوں حجاج کے ایک ہونے کا مغالطہ ہوا۔

رہی یہ بات کہ ابو یعلی کی زیر بحث سند میں مذکور "حجاج" سے کون سے حجاج مراد ہیں؟ سو مسند بزار کی سند میں "حجاج" کے ساتھ "الصواف" کا لفظ آیا ہے۔ (جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا) ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس (الصواف کے لفظ) کو محض وہم قرار دیا۔

حافظ ابن عدیؒ کی سند میں "حجاج بن الاسود" آیا ہے (اسکا ذکر بھی آنے والا ہے) جبکہ کتب تراجم رواۃ و رجالِ حدیث میں اس ولدیت کے ساتھ کسی حجاج کا ذکر نہیں ملتا اس لیے امام ذہبیؒ نے شروع میں تو اس راوی کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا تھا اور فرمادیا:

"نکرة ماروی عنه فیما اعلم سوی مستلم بن سعید۔"

(۳۳) تہذیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۶۰ ترجمۃ ۱۱۰۱ تحقیق بشار (المطبوع فی ثمان مجلدات)

"یہ نامعلوم راوی ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے مستلم بن سعید کے علاوہ کسی نے ان سے روایت نہیں کی"۔

اور اس خشت کج (ٹیڑھی اینٹ) پر بنیاد قائم کر کے اس (الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون کی) حدیث کو ہی منکر قرار دے دیا، چنانچہ آگے فرمایا:

"فاتی بخبر منکر عن انس فی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون رواه البیهقی۔"(۳۴)

"سو اس (حجاج بن اسود) نے حضرت انسؓ سے ایک منکر روایت نقل کر دی کہ "الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔"

پھر جب امام ذہبیؒ نے مستدرک حاکم پر تحقیقی کام شروع کیا تو آپ پر آشکارا ہوا کہ یہ کوئی اور نہیں حجاج اسود ہی ہیں۔ چنانچہ حاکم کی "المستدرک علی الصحیحین" کی کتاب الرقاق کی آخری حدیث (کہ جس کے بعد کتاب الفرائض شروع ہوتی ہے) کی سند میں حجاج بن الاسود کا نام آیا تو حافظ ذہبی نے اس پر یہ نوٹ تحریر فرمایا:

"قلت: حجاج ثقة۔"(۳۵)

"میں (ذہبیؒ) کہتا ہوں حجاج (جو کہ سند میں حجاج بن الاسود کے نام سے آیا ہے) ثقہ ہے"۔

شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

"ان حجاجا هذا ثقه بلاخلاف وان الذهبیؒ تو هم انه غیره فلم یعرفه ولذ الک استنکر حدیثه ویبد و انه عرفه فیما بعد فقدا خرج له الحاکم فی المستدرک

(۳۴) میزان الاعتدال للذهبی جلد ۱ صفحہ ۴۶۰ رقم الترجمة: ۱۷۲۷ طبعة دار المعرفة بیروت.

(۳۵) تلخیص المستدرک علی الصحیحین للذهبی بهامش المستدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۳۳۲

(۴: ۲ ۳۳۲) حدیثا آخر.... فقال الذهبیؒ فی تلخیصه:
قلت حجاج ثقة وکانه لذالک لم یورده فی کتابه الضعفاء ولا فی ذیله۔"(۳۶)

"یقیناً یہ حجاج (الاسود) ثقہ ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر ذہبیؒ کو وہم ہوا کہ یہ (حجاج بن الاسود) اس (حجاج الاسود) کے علاوہ کوئی اور ہیں تو ان کو پہچان نہ سکے۔ اس لئے ان کی حدیث کو منکر کہہ دیا مگر لگتا یہ ہے کہ وہ (ذہبیؒ) بعد میں ان کو پہچان گئے تھے۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک ۴: ۳۳۲ میں اس (حجاج بن الاسود) کی ایک اور روایت نقل کی تو ذہبیؒ نے اپنی "تلخیص" میں فرمایا: "میں کہتا ہوں حجاج ثقہ ہیں"۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے (امام ذہبیؒ نے) ان (حجاج بن الاسود) کو اپنی "کتاب الضعفاء" میں نہیں لایا نہ ہی اس کی "ذیل" میں"۔

مسند ابو یعلی کے محقق شیخ حسین سلیم اسد امام ذہبیؒ کی "میزان الاعتدال" کی عبارت مذکورہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ولکن تعقبه الحافظ ابن حجرؒ فی "اللسان" فقال: وانما هو حجاج بن ابی زیاد الاسود یعرف بزق العسل.... قال احمدؒ: ثقة ورجل صالح وقال ابن معینؒ: ثقة وقال ابو حاتم: صالح الحدیث وذکره ابن حبان فی الثقات۔"(۳۷)

مگر حافظ ابن حجرؒ نے اپنی "اللسان" میں ان (ذہبیؒ) پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو حجاج بن ابي زیاد الاسود (نامی راوی) ہیں جو "زق العسل" یعنی شہد کے مٹکے سے مشہور ہیں (آگے فرمایا) امام احمدؒ نے

(۳۶) سلسلة الاحادیث الصحیحة جلد ۲ صفحه ۱۸۸.

(۳۷) الحاشیه اعلی مسند ابی یعلی جلد ٦ صفحه ۴۷.

فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں نیک آدمی ہیں۔ ابن معینؒ نے فرمایا کہ یہ ثقہ راوی ہیں۔ ابو حاتمؒ نے فرمایا: روایت حدیث میں مناسب (آدمی) ہیں اور ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اپنے پسندیدہ ترین استاد، امام ذہبیؒ کی "میزان الاعتدال" پر نہایت اعلیٰ اور شاندار تحقیقی کام کیے۔ پہلے دو ہزار کے قریب مزید ضعیف رُوات پر مشتمل "ذیل میزان الاعتدال" لکھی۔ پھر اس کتاب میں رُوات کے بارے میں بلا حوالہ مذکور اقوال محدثین کے حوالوں کا مجموعہ "تقویم اللسان" کے نام سے تحریر کیا پھر اس میں پائے جانے والے اوہام کی اصلاح پر مشتمل "تحریر المیزان" تصنیف کی اور آخر میں سب کو یکجا کر کے "لسان المیزان" کا تحقیقی مجموعہ ترتیب دیا۔ اس سے واضح ہے کہ امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال کو انکی دیگر وقیع ومتین تصانیف کے ہمرنگ وہمرتبہ کرنے کیلئے حافظ ابن حجرؒ کی یہ ساری کاوشیں تھیں کہ اوائل تصانیف میں سے ہونے کی وجہ سے اس میں بہت سے پہلو تشنہ رہ گئے تھے اور کلام کرنے کے اسمیں مواقع بہت چھوڑے گئے تھے کہ شاید ذہبیؒ کی کسی دوسری کتاب میں اتنے مواقع نہیں چھوڑے گئے۔ اس لیے کسی بات میں میزان الاعتدال واحد حوالہ ہونے کی صورت میں لسان المیزان کی تائید وتوثیق کے بغیر اسے بیان کرنا یا لسان المیزان میں تردید ملاحظہ کرنے کے باوجود "میزان" کے حوالے سے مغالطہ دینا علمی خیانت ہے۔ جو کسی صاحب علم ودیانت کے شایان شان نہیں۔ بلکہ دلائل کی دنیا میں احساس تنہائی وبے کسی پر مبنی سقم مدّعا کا بین ثبوت ہے۔

بہر حال "میزان الاعتدال" کی عبارت سابقہ پر مذکورہ تردیدی کلام حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ میں کیا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن عدیؒ کی روایت (جو میزان الاعتدال کی

تصنیف میں امام ذہبی کے پیش نظر رہی ہے) میں مذکور حجاج بن الاسود سے حجاج الاسود مراد ہونے پر ابن حجرؒ کے پاس کیا دلیل تھی؟ سو حافظ ابن حجرؒ نے اس بارے میں بیہقیؒ کی روایت کا حوالہ دیا۔ (۳۸)

اور فتح الباری میں بیہقیؒ کی سند ذکر کرتے ہوئے فرمایا..... عن الحجاج الاسود... (۳۹)

اور بزار کی سند میں مذکور حجاج الصواف پر وہم کا حکم لگانے کے بعد فرمایا:

''و الصواب الحجاج الاسود كما وقع التصريح به فی رواية البيهقیؒ۔'' (۴۰)

''صحیح (نام) حجاج الاسود ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں اس کی تصریح آئی ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ کے پیش نظر ''حياة الانبياء فی قبورهم '' للبیہقیؒ کا جو نسخہ تھا، اسمیں اسی طرح (حجاج الاسود) تھا۔ اس رسالے کے مطبوعہ نسخوں میں ابن عدیؒ کی روایت کی طرح حجاج بن اسود ہی آیا ہے۔ ممکن ہے اسمیں نسخوں کے فرق کا دخل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ناشرین عصر کے ارزاں صفت محققین کی نظر قاصر کا اثر ہو۔

راقم الحروف کی نظر میں اس سلسلے میں سب سے واضح ثبوت امام دار قطنیؒ (ابو الحسن علی بن عمر) متوفی ۳۸۵ھ کی روایت ہے۔ اس میں زیر بحث حدیث کی سند میں مذکور مستلم بن سعید کے شیخ اور ثابت بنانیؒ سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد کا نام صراحتاً ''حجاج الاسود'' آیا ہے چنانچہ امام دار قطنیؒ کی ''الغرائب والافراد'' کی فہرست و

(۳۸)لسان الميزان جلد۲ صفحه ۱۷۵ .

(۳۹)فتح الباری جلد ٦ صفحه ۵۹۵ رقم الحديث ۳۴۴۱ .

(۴۰)فتح الباری جلد ٦ صفحه ۵۹۵ .

ترتیب پر مشتمل ''اطراف الغرائب والافراد'' میں ہے:

''حجاج الاسود عن ثابت۔ حديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الانبياء احياء فی قبورهم يصلون. الحديث. تفرد به المستلم بن سعيد عن حجاج الاسو عن ثابت۔'' (۴۱)

''حجاج الاسود کی روایت ثابت سے۔ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ مستلم بن سعید، یہ حجاج الاسود کے واسطے سے یہ حدیث ثابت سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔''

حجاج الاسود نامی اس راوی پر چونکہ زیر بحث حدیث کی اسانید میں اوہام کثیرہ کی گرد پڑی ہوئی تھی، جسے صاف کئے بغیر اس حدیث کی صحت بے غبار نہیں ہو رہی تھی بالخصوص جبلہ امام ذہبیؒ کی ''میزان'' کو بے ''لسان'' کر کے اس حدیث کے منکر ہونے کی شہادت دینے کیلئے اسٹیج پر لانے کا فعل منکر سرانجام دیا جا رہا تھا۔ اس لئے یہاں پر مفصل وضاحت ناگزیر تھی جو الحمدللہ کر دی گئی۔ البتہ بعض روایات میں ''حجاج بن الاسود'' کے الفاظ آنے کی وجہ ہم آگے ذکر کریں گے۔

حافظ ابن حجرؒ مسند ابو یعلی کی اس سند کے پہلے راوی کو چھوڑ کر باقی راویوں پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقد جمع البيهقیؒ كتاباً لطيفاً فی حياة الانبياء فی قبورهم اورد فيه حديث انس: الانبياء احياء فی

(۴۱)اطراف الغرائب و الافراد لا بن طاهر المقدسی جلد ۲ صفحه ۳۲.۳۱ طبعة دار الكتب العلمية.

قبورهم یصلون. اخرجه من طریق یحیٰی بن ابی کثیر (۴۲) وهو منرجال الصحیح عن المستلم بن سعید وقد وثقه احمد و ابن حبان عن الحجاج الاسودوهو ابن ابی زیاد البصری وقد وثقه احمد و ابن معین عن ثابت عنه و اخرجه ایضاً ابو یعلی فی مسنده من هذاالوجه و اخرجه البزار لکن وقع عنده:عن حجاج الصواف وهو وهم ....وصححه البیهقی۔"(۴۳)

''انبیاء علیہم السلام کے اپنی قبروں میں زندہ ہونے پر بیہقیؒ نے ایک کتابچہ تالیف کیا ہے، اسمیں انہوں نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں'' یہ حدیث انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر (بن ابی بکیر جیسا کہ حاشیۂ سابقہ میں گزرا) کی سند سے روایت کی ہے جو کہ صحیح (بخاری) کے راوی ہیں اور انہوں نے مستلم بن سعید سے، کہ جن کو امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ثقہ کہا ہے۔اور انہوں نے حجاج الاسود سے۔یہ (حجاج) ابن ابی زیاد بصری ہیں۔امام احمدؒ

(۴۲) فتح الباری کے مطبوعہ نسخوں میں (جو بندہ کی نظر سے گزرے ہیں) اسی طرح ہے جبکہ خود حافظ ابن حجرؒ نے المطالب العالیة میں، بیہقیؒ نے ''حیاة الانبیاء'' میں، (جس کی سند پر یہاں حافظؒ کلام کر رہے ہیں) اور اصل مرجع مسند ابو یعلی میں بھی یحییٰ بن ابی بکیر ہے۔ جیسا کہ ان سب کی اسانید سے ظاہر ہے جو پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔ دونوں یحییٰ (یعنی ابن ابی بکیر اور ابن ابی کثیر) صحیحین کے راوی ہیں۔ ان دونوں کی ولدیت میں متعدد کتابوں میں اس طرح کی تصحیف ہوئی ہے۔ خلاصة الخزرجی کے صفحہ ۴۲۵ پر اسی طرح یحیٰی بن ابی کثیر (ازرق بن علی کے شیوخ میں) ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ یہ یحییٰ بن ابی بکیر ہیں چنانچہ حافظ علی صنعانی نے حاشیہ میں اس پر تنبیہ کردی ہے۔ معجم ابن المقری جلد ا صفحہ ۳۱۳ حدیث ۱۰۱۴ میں ابن ابی بکیرؒ کے پوتے کا نام اس طرح آیا ہے: عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن ابی کثیر۔ جبکہ یہ محض تصحیف ہے ''بکیر'' اور ''کثیر'' میں رسم الخط کا قرب یا محض اشتباہ کی بناء پر تسلسل سے یہ تصحیف چلی آرہی ہے۔

(۴۳) فتح الباری لابن حجر جلد ۲ صفحہ ۳۲، ۳۱ تحت رقم ۳۴۴۱ طبعة دار السلام .بیروت.

اور ابن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔اور انہوں نے ثابت سے اور انہوں نے (یعنی حضرت ثابت نے) ان (انسؓ) سے۔اس سند سے ابو یعلیٰؒ نے بھی اپنی مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ بزار نے بھی اسکو روایت کیا ہے مگر ان کی سند میں ''حجاج الصواف'' آیا ہے جو کہ وہم ہے۔(آگے فرمایا) بیہقیؒ نے اس (حدیث) کو (سند مذکور کے ساتھ) صحیح کہا ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد خاص امام سخاویؒ (شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن) متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

''وقد جمع البیهقی جزء فی حیاة الانبیاء فی قبورهم و استدل بغالب ما تقدم وبحدیث انسؓ:الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون. اخرجه من طریق یحیی بن ابی بکیر وهو من رجال الصحیح عن المستلم بن سعید وقد وثقه احمد و ابن حبان عن الحجاج بن الاسود وهوابن ابی زیادالبصری وقد وثقه احمد وابن معین عن ثابت البنانی عنه و اخرجه ایضاابو یعلی فی مسنده من هذاالوجه وکذاالبزار ولکن وقع عنده: عن حجاج الصواف، وهو وهم والصواب حجاج بن الاسود کماصرّح البیهقی فی روایته وصححه البیهقی۔"(۴۴)

''امام بیہقیؒ نے قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات پر ایک رسالہ لکھا ہے اور (اس پر) سابق میں مذکور اکثر (احادیث) سے استدلال کیا ہے اور حضرت انسؓ کی اس حدیث سے بھی (انہوں نے استدلال کیا ہے) کہ: الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون یہ روایت انہوں نے یحییٰ بن ابی بکیر

(۴۴) القول البدیع فی الصلوة علی الحبیب الشفیع للسخاویؒ صفحہ ۱۶۱ طبعة دار الکتب العلمیة بیروت.

کی سند سے نقل کی جو کہ صحیح (بخاری) کے راوی ہیں اور وہ (روایت کرتے ہیں) مستلم بن سعید سے کہ جن کی توثیق امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے کی ہے اور وہ (روایت کرتے ہیں) حجاج بن الاسود سے۔ اور یہ ابن ابی زیاد بصری ہیں۔ امام احمدؒ اور ابن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اور وہ (روایت کرتے ہیں) ثابت بنانی سے (جو کہ متفق علیہ ثقہ ہیں) وہ ان (حضرت انسؓ) سے۔ اس سند سے ابو یعلی نے بھی اپنی مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ نیز بزار نے (اپنی مسند میں ایک اور سند سے اس کو ذکر کیا ہے) لیکن ان (بزار) کی روایت میں 'حجاج الصواف سے' کے الفاظ ہیں اور یہ وہم ہے صحیح 'حجاج بن الاسود' ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے اپنی روایت میں اس کی تصریح کی ہے اور اس (روایت) کو امام بیہقی نے صحیح کہا ہے"

علامہ سخاوی کا یہ مضمون بظاہر فتح الباری سے ماخوذ ہے۔ البتہ مراجع سے تصحیح بھی کر دی گئی ہے کہ یہ یحیی بن ابی بکیر کی روایت ہے نہ کہ یحیی بن ابی کثیر کی۔ جیسے فتح الباری میں سہواً نقل کیا گیا ہے۔ نیز بیہقیؒ نے سند میں مذکور حجاج کو "حجاج بن الاسود" ذکر کیا ہے نہ کہ حجاج الاسود، جیسا کہ فتح الباری میں آیا ہے۔ چنانچہ بیہقیؒ کے رسالہ کے مطبوعہ نسخوں میں بھی "الاسود" کی بجائے "ابن الاسود" ہی مذکور ہے۔ بہر حال، امام سخاویؒ بھی اس سند کے سارے رجال کو ثقہ اور اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

حدیثِ مذکور کے متن اور مضمون کی صحت محدثین کے قائم کردہ عنوانات کی روشنی میں

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مسند ابو یعلی کی اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا:

"باب حياة الانبياء عليهم السلام۔" (۴۵)

"انبیاء علیہم السلام کی (قبروں میں) حیات کا بیان"۔

امام بوصیریؒ (احمد بن ابی بکر) متوفی ۸۴۰ھ اس حدیث پر عنوان لگاتے ہیں:

"الانبياء احياء فی قبو رهم۔" (۴۶)

"انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں"۔

محدث نور الدین ہیثمی (علی بن ابی بکر) متوفی ۸۰۷ھ نے یہ عنوان لگا کر حدیث مذکور نقل کی:

"باب حياة الانبياء فی قبورهم۔" (۴۷)

---

(۴۵) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية لابن حجرؒ جلد ۱۴ صفحہ ۲۲۵ طبعة دار العاصمة. السعودية۔

(۴۶) اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للبوصيریؒ جلد ۹ صفحہ ۱۹۴ طبعة مكتبة الرشد . الرياض۔

(۴۷) المقصد العلی فی زوائد ابی يعلی الموصلی للهيثمیؒ جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ طبعة دار الكتب العلمية. بيروت۔

''انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات کا بیان''۔

مذکورہ بالا محدثین نے مسند ابویعلی کی زیر بحث حدیث کو سند کے ساتھ ذکر کرتے وقت 'باب ما جاء فی حیاۃ الانبیاء' یا 'باب من قال: الانبیاء احیاء فی قبورهم' یا 'ذکر من قال بحیاۃ الانبیاء فی قبورهم' وغیرہ تشکیک پر مشتمل عنوان نہیں لگائے کہ ''قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات پر جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں'' یا ''جو لوگ انبیاء علیہم السلام کو قبروں میں زندہ مانتے ہیں ان (کے دلائل) کا بیان''۔ بلکہ ان اکابر محدثین کی طرف سے جزم ویقین کے ساتھ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں'' وغیرہ عنوان (ترجمة الباب) کے ساتھ فقہ الحدیث کا بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تمام محدثین اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اس لئے اس کے مضمون پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن مندہؒ (محمد بن اسحاق ابوعبداللہ) متوفی ۳۹۵ھ نے اپنی کتاب ''الفوائد'' میں یہ عنوان قائم کیا:

''الانبیاء احیاء فی قبورهم''۔ (۳۸)

''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں''۔

اور اس عنوان کے تحت حضرت موسیٰ علیہم السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی مشہور حدیثِ صحیح ذکر کی۔ اور ترجمۃ الباب (عنوان) بمنزلہ دعوی ہوتا ہے۔ اور اس کے تحت مذکور روایات دلیلیں ہوتی ہیں۔ یوں زیر بحث حدیث کا مضمون کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اس کو امام ابن مندہؒ بھی صحیح تسلیم کرتے نظر آتے ہیں۔

امام ابوبکر بزار (احمد بن عمرو العتکی) متوفی ۲۹۲ھ کو چونکہ زیر بحث حدیث حسن بن قتیبہ کی سند سے ملی تو فرمایا کہ یہ روایت تو غرائب حسن بن قتیبہ مین سے ہے مگر دوسری

(۳۸) الفوائد لا بن مندہؒ صفحہ ۴۷۔

''قبر میں صلوٰۃِ موسوی'' کی حدیث اس پر (صحیح سند سے) موجود ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''وھذا الحدیث لا نعلم احدًا تابع الحسن بن قتیبة علی روایته عن حماد و انما یروی عن انس ؓ من حدیث ثابت وغیره ان النبی صل اللہ علیه وسلم قال رأیت موسیٰ یصلی فی قبره۔''(۳۹)

''اس حدیث کو حماد سے روایت کرنے میں حسن بن قتیبہ کا کوئی متابع ہمیں معلوم نہیں ہاں حضرت انسؓ سے بواسطہ ثابت وغیرہ حماد نے یہ روایت (اس مضمون پر) بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہم السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

یوں زیر بحث حدیث کے مضمون کو امام بزارؒ نے بھی صحیح تسلیم کیا۔ اس سے محدثین کی نظر میں مسند ابویعلی کی روایت سند اور متن دونوں لحاظ سے صحیح ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

(۳۹) مسند البزار جلد ۱۳ صفحہ ۶۲ رقم الحدیث ۶۳۹۱۔

روایت مسند ابویعلی کے رجال پر مفصل کلام

آغازِ بحث میں یہ سند گزر چکی جو کہ اس طرح ہے:

" حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علی حدثنا یحییٰ بن أبی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالکؓ".

اب ہم کتبِ رجال سے اس سند کے تمام راویوں کے احوال ذکر کرتے ہیں۔

ابوالجہم الازرق بن علی:

"خلاصة تذهیب تهذیب الکمال" میں ہے:

"الأزرق بن علی بن مسلم الحنفی ابوالجهم الکوفی عن حسان الکرمانی ویحییٰ بن ابی بکیر وعنه ابوزرعة قال ابن حبان: ثقة یغرب". (۵۰)

ترجمہ:"ازرق بن علی بن مسلم حنفی، ابوالجہم (کنیت ہے) کوفی، یہ

(۵۰)خلاصة تذهیب تهذیب الکمال للحافظ صفی الدین الخزرجی متوفی ۹۲۳ ھ ،ص:۲۵۔

حسان کرمانی اور یحییٰ بن ابی بکیر سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوزرعہ نے روایت کی ہے، ابن حبان نے کہا: یہ ثقہ ہیں، غریب روایات لاتے ہیں"۔

امام ذھبیؒ اپنی "تاریخ" میں ان کے تلامذۂ حدیث میں مشہور ائمہ حدیث میں سے امام ابوزرعہ رازی، امام ابوبکر بن ابی عاصم، امام ابویعلی اور امام عبداللہ بن احمد بن حنبل کو ذکر کیا ہے۔(۵۱) اور امام جمال الدین مزی متوفی ۷۴۲ھ نے ان (ازرق) کے بائیس تلامذۂ حدیث ذکر کیے ہیں۔(۵۲) امام ذھبیؒ نے اپنی "تاریخ" اور "سیر" میں ان کی مجلسِ درسِ حدیث کے خوشہ چینوں میں امام مسلمؒ کے استاذِ حدیث امام صالح بن محمد جزرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔(۵۳) اور امام جزرہ کے علمی مقام ومرتبہ کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"الإمام الحافظ الکبیر الحجة محدث المشرق"..(۵۴)

ترجمہ:"امام، حافظ کبیر، حجۃ، محدثِ مشرق"۔

اتنے بڑے بڑے ائمہ حدیث کا ازرق کی "مجلس درس واملائے حدیث" میں کھنچے چلے آنا اور بعد میں ان سے روایت کرنا اس بات کا بیّن شاہدِ عدل ہے کہ ثقاہت ودیانت، حفظ واتقان اور ضبطِ حدیث میں ازرق کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ امام ذھبیؒ جیسے

(۵۱)تاریخ الاسلام للذهبی جلد:۵،صفحہ:۵۲۹،الطبقة الثالثة والعشرون رقم الترجمة:۵۳،منها۔

(۵۲)تهذیب الکمال للحافظ المزی، جلد:۱،صفحہ:۱۶۳،رقم الترجمة:۲۹۵.

(۵۳)تاریخ الإسلام للذهبی ،جلد:۶،صفحہ:۹۵۳،الطبقة الثلاثون، رقم الترجمة:۲۲۷،منها وسیر اعلام النبلاء للذهبی،جلد:۱۴،صفحہ:۲۴۔

(۵۴)سیر اعلام النبلاء،جلد:۱۴،صفحہ:۲۴۔

مردم شناس نے شاید اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

"کوفی مشهور". (۵۵)

ترجمہ: "کوفہ کے رہنے والے مشہور (محدث) ہیں"۔

اسانید حدیث پر گہری نظر رکھنے والے علامہ ہیثمیؒ ازرق کو ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط رجالھما رجال الصحیح غیر الازرق بن علی وحسان بن ابراھیم وکلاھما ثقة". (۵۶)

ترجمہ: "اس (حدیث) کو طبرانی نے کبیر واوسط میں روایت کیا ہے، دونوں سندوں کے رجال صحیح (بخاری) کے رجال ہیں، سوائے ازرق بن علی اور حسان بن ابراہیم کے اور یہ دونوں ثقہ ہیں"۔

علامہ بوصیریؒ ازرق کی توثیق کرتے ہوئے ازرق کے طریق سے ایک سند کے بارے میں فرماتے ہیں: "ھذااسناد رجاله ثقات"۔(۵۷)

اس سند کے سارے رجال ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

(۵۵)تاریخ الاسلام جلد: ۵، صفحہ: ۵۲۹، ترجمة الازرق۔

(۵۶)مجمع الزوائد، جلد: ۱۰، صفحہ: ۲۸۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۰۰، باب ماجاء فی الحکمة والمروة۔

(۵۷)اتحاف الخیرة المھرة، جلد: ۴، ص: ۲۶۷، رقم الحدیث: ۳۹۴۶، باب ماجاء فی النفث فی الرقیة۔

"وأخرج له الحاکم فی المستدرک"۔(۵۸)

ترجمہ: "ان (ازرق) سے حاکم نے مستدرک میں حدیث روایت کی ہے"۔

اور حاکم کی "مستدرک" میں صحیحین پر استدراکات ہونے کی بناء پر اس میں صحت کا التزام کیا گیا ہے، جس سے حاکم کی طرف سے ازرق کی توثیق واضح ہے اور "تلخیص المستدرک" میں امام ذھبیؒ نے بھی ازرق پر کوئی کلام نہیں کیا ہے۔ (۵۹)

یوں امام ذہبیؒ نے گویا ازرق کی توثیق پر حاکم سے اتفاق کیا۔

اور علامہ زین الدین عراقی (عبدالرحیم بن الحسین) متوفی ۸۰۶ھ ازرق کو ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال ابن حبان فی الثقات: یغرب واحتج به فی صحیحه"۔(۶۰)

ترجمہ: "ابن حبان نے "الثقات" میں کہا: یہ (ازرق) غریب حدیثیں بیان کرتے ہیں اور انہوں نے (ابن حبان نے) ان (کی حدیث) کو حجت مانا ہے"۔ (۶۱)

(۵۸)تھذیب التھذیب، جلد: ۱، ص: ۱۷۵، ترجمة الازرق، رقم الترجمة: ۳۷۶، طبع: عبد التواب اکادمی، ملتان۔

(۵۹)دیکھئے: المستدرک علی الصحیحین للحاکم باب مناقب علیؓ، رقم الحدیث، ۴۵۷۷.

(۶۰)ذیل المیزان للعراقی، جلد: ۱، ص: ۴۶۰، رقم الترجمة: ۱۶۲، طبع: دار الکتب العلمیة.

(۶۱)ائمہ حدیث کی ان تمام تصریحات میں ازرق بن علی کو سب نے "ثقہ" تسلیم کیا ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کی توثیق ہے (دیکھئے: مقدمہ ابن صلاح، تقریب النواویؒ، وغیرہ) پھر "تقریب التھذیب" میں ان کے لئے مراتب تعدیل میں مرتبہ ثانیہ کا لفظ "صدوق" استعمال کیا جانا کسی طرح درست نہیں، بلکہ بے دلیل ان کا مرتبہ (جاری ہے)

ابن حبانؒ کا مقصد "یــغــرب" سے صرف یہ بتانا ہے کہ ازرق کے پاس ایسی حدیثیں ہیں جو کسی اور کے پاس نہیں اور ثقہ راوی میں یہ کوئی عیب کی بات بھی نہیں، کیونکہ صحتِ حدیث کے لئے راوی کا ثقہ اور ضابط ہونا اور سند کا متصل ہونا یہ ضروری ہے، مگر راوی کا متعدد یعنی کم از کم دو ہونا ضروری نہیں۔ تمام کتابوں میں ہے کہ شہادت میں عدد (دو ہونا) ضروری ہے، مگر روایت میں عدد قطعاً ضروری نہیں، بلکہ تنہا ایک راوی کی روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔

امام شمس الدین سخاویؒ لکھتے ہیں:

"العدد غير شرط فيه على المعتمد بل الصحة تجامع الغرابة".(٦٢)

ترجمہ: "صحیح قول کے مطابق اس (صحتِ حدیث) میں عدد (کم از کم دو ہونا) شرط نہیں، بلکہ صحت، غرابت (تفردِ راوی) کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے"۔

یعنی کسی حدیث کا "غریب"(٦٣) ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح ہونا بھی درست ہے۔

(بقیہ حاشیہ) گھٹاتا ہے۔ شیخ البانی کو حافظ ابن حجرؒ کے ان الفاظ نے زیر بحث حدیث کی تصحیح کے لئے متابع کے پیچھے پھیرے لگوائے، کاش! وہ متقدمین پر اعتماد کرتے اور اصل مراجع سے ازرق کا مقام معلوم کرتے۔

(٦٢) فتح المغيث للإمام السخاویؒ، جلد: ١، ص: ٢٣٣، طبع: مكتبة السنة، القاهرة، مصر۔

(٦٣) یہاں غرابت اور تفرد راوی پر تھوڑی تفصیل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ امام شافعیؒ (جو کہ شانِ تحدیث کی بجائے شانِ اجتہاد کا غلبہ رکھنے والے عظیم امام تھے) کی طرف منسوب ایک مغالطہ انگیز "قسم غریب" سے پردہ اٹھ جائے کہ جس کا تذکرہ اصولِ حدیث کی متداول کتابوں میں ہے۔ (جاری ہے)

....

(بقیہ حاشیہ) غرابت پر مشتمل "حدیث غریب" کی حقیقت یہ ہے کہ باعتبارِ سند "غرابت" میں سند کا دار و مدار ایک ہی راوی پر رہ جاتا ہے، جس کو تفردِ راوی کہتے ہیں اور یہ "غرابت" سند کے کسی بھی حصے میں ہو سکتی ہے۔

سو کسی راوی کی روایت کی صحت کے لئے بنیادی چیز اس کا ثقہ ہونا ہے:

"عهدة الصحيح عدالة الراوى". (نخب الافكار فی شرح معانی الآثار للإمام العينیؒ، جلد: ٣، ص: ٤٧، طبع: دار النوادر، سورية)

"صحتِ حدیث کے لئے بنیادی چیز راوی کا عادل (ثقہ) ہونا ہے"۔

اس (صحت) کے لئے عدد (ایک سے زائد راوی کا ہونا) شرط نہیں، جیسا کہ تمام کتبِ اصولِ حدیث میں ہے۔

امام ابن کثیرؒ کثیر تعداد مسائل کے ثبوت کی بنیاد ایسی ہی (غریب) احادیث کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وليس من ذلک ان يروى الثقة مالم يرو غيره بل هو مقبول إذا كان عدلاً ضابطاً حافظاً فإن هذا لورد لردّت أحاديث كثيرة من هذا النمط وتعطلت كثير من المسائل عن الدلائل". (اختصار علوم الحديث لابن كثير، ص: ٦٧، ٦٦، طبع: مكتبة دار السلام، الرياض)

"اور اس (شاذ مردود) میں سے یہ نہیں کہ کوئی ثقہ ایسی روایت نقل کرے جو اس کے علاوہ کوئی نقل نہ کرے، بلکہ یہ تو مقبول (اور صحیح) ہے، جبکہ وہ (راوی) عادل، ضابط اور حفظ و اتقان والا ہو، اس لئے کہ اگر ایسی (غریب ثقہ) روایت رد ہو گی تو اس طرح بہت سی احادیث رد ہو جائیں گی اور بہت سے مسائل دلائل سے خالی ہو کر رہ جائیں گے"۔

اور غریب المتن میں غرابتِ سند کے ساتھ متنِ حدیث بھی ایسا ہوتا ہے کہ جو کسی دوسرے راوی سے ثابت نہیں ہوتا۔ (مقدمہ بن الصلاح، ص: ٢٧١، طبع: دار الفكر، بيروت)

اب راوی ضعیف ہونے کی صورت میں روایت کا ضعیف ہونا ظاہر ہے، لیکن راوی ثقہ ہونے۔ (جاری ہے)

....

(بقیہ حاشیہ) کی صورت میں کیا محض غرابت اور ''تفردِ راوی'' کی وجہ سے کوئی روایت ضعیف ہوتی ہے؟ سو اس بارے میں اصولِ حدیث کی عام کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ ''غریب ثقہ اگر راوئ اوثق یا رواتِ ثقات کی روایت کے مخالف واقع ہو اور مخالفت بھی ایسی کہ نا قابلِ تطبیق، تو ''غریب ثقہ'' کو صحیح کا رتبہ نہیں ملتا۔ چنانچہ ''عدمِ شذوذ'' کو شرطِ صحت حدیث قرار دے کر تعریفِ حدیثِ صحیح کا جزء بنا دیا گیا ہے اور اس (شذوذ) کی تشریح مخالفتِ اوثق یا ثقات سے کی گئی۔ اور اس عدمِ شذوذ کے شرطِ صحت ہونے کو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا، مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نسبت ہی سراسر غلط ہے کیوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ متفرد (ثقہ) کی روایت اوثق یا ثقات کی روایت کے مخالف ہونے سے صحیح نہیں ہوگی، ضعیف ہوگی. بلکہ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ بصورتِ مذکورہ متفرد ثقہ کی روایت مرجوح ہوگی اور روایتِ اوثق وثقات راجح۔ سو اس سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ روایتِ مرجوحہ ضعیف ہوگی جیسے حدیثِ منسوخ مرجوح ہوتی ہے اور حدیث ناسخ راجح۔ مگر اس سے منسوخ حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا جیسے منسوخ آیتیں بھی صحیح ہیں اور ناسخ آیتیں بھی، اسی طرح راجح اور مرجوح دونوں ہی قسم کی روایتیں رجال ثقات سے اتصال سند کے ساتھ ثابت ہو کر صحیح بھی ہو سکتی ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا کلام اس (صحیح ہونے نہ ہونے) سے متعلق سرے سے ہے نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے شافعی المسلک محدث اس مغالطے سے متنبہ ہوئے تو خاموش نہ رہ سکے اور اس کا ازالہ ضروری سمجھتے ہوئے لکھا:

لکن الشافعيؒ صرح بأنه مرجوح وان الروایة الراجحة أولی لکن هل یلزم من ذلک عدم الحکم علیه بالصحة؟ محل توقف۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجرؒ ص ۲۶۳ ط: دارالکتب العلمیة و فتح المغیث للامام السخاوي ص ۲۳۲ ج ۱)

''مگر امام شافعیؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ ایسی (متفرد ثقہ کی مخالف اوثق یا مخالف ثقات) روایت مرجوح ہوگی اور روایت راجحہ (مخالف ثقہ روایت اوثق و روایت ثقات) مقدم ہوگی، لیکن اس (مرجوحیت) سے اس (متفرد ثقہ کی روایت) پر عدم صحت کا بھی حکم لگایا جائے؟ سو یہ محل توقف ہے''۔

(جاری ہے)

....

(بقیہ حاشیہ) اور تحقیق و جستجو کے شہسوار حافظ ابن حجرؒ نے اس توقف کو زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیا چنانچہ فیصلہ کن انداز میں توقف کی دیوار کو توڑتے ہوئے جو فرمایا وہ امام سیوطی کی زبانی سنیے:

فمجرد اختلاف أحد رواته لمن هو أوثق منه أو أکثر عدداً لا یستلزم الضعف بل یکون من باب صحیح وأصح، قال ولم یرو مع ذلک عن احد من أئمة الحدیث اشتراط نفي الشذوذ المعبر عنه بالمخالفة وانما الموجود من تصرفاتهم تقدیم بعض ذلک علی بعض في الصحة. (تدریب الراوي للامام السیوطي ج ۱ ص ۶۵ ط: المکتبة العلمیة، المدینة المنورة)

''حدیث کے کسی راوی کی اپنے سے زیادہ ثقہ یا زیادہ تعداد (ثقہ لوگوں) کی مخالفت (اس حدیث کے) ضعیف ہونے کو لازم نہیں کرتی بلکہ یہ صحیح اور اصح کی قبیل سے ہوگا، (کہ متفرد ثقہ کی روایت صحیح اور امام شافعیؒ کے اصول کی رو سے اوثق و ثقات کی روایت اصح ہوگی) انہوں نے (یعنی حافظ ابن حجرؒ نے) آگے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ ائمہ علمِ حدیث میں سے کسی ایک سے بھی (صحت حدیث کے لیے) شذوذ بمعنی عدمِ مخالفتِ ثقات کی شرط منقول نہیں، البتہ ان کے تصرفات میں ان میں سے ایک (اوثق اور ثقات کی) روایت کو دوسری (متفرد ثقہ کی) روایت پر صحت میں مقدم کرنا پایا جاتا ہے (نفی صحت نہیں)''

حافظ ابن حجرؒ پورے وثوق سے فرما رہے ہیں کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی عدمِ شذوذ کو صحتِ حدیث کے لیے شرط قرار نہیں دیا تو آخر اس شرط کا مدار امام شافعیؒ جیسے عظیم مجتہد و فقیہ پر ہی قرار پاتا ہے، سو امام ابن حجرؒ فرما چکے ہیں کہ انہوں نے بھی عدمِ شذوذ کو شرطِ صحت قرار نہیں دیا، بلکہ وجوہِ ترجیح میں سے ہونا ذکر کیا ہے، جیسے تعارضِ نصوص کی صورت میں ہر مجتہد کے ترجیح کے اپنے اصول ہوتے ہیں تو امام شافعیؒ نے ایک اصول ترجیح یہ قائم کیا کہ بصورتِ مذکورہ روایاتِ ثقہ پر روایتِ اوثق اور روایتِ ثقات کو ترجیح ہوگی، مگر صحیح اور اصح کے فرق کے ساتھ دونوں روایتیں بدستور صحیح ہی رہیں گی، کیوں کہ ترجیح کی نوبت ہی تب آتی ہے جب دو متعارض روایتیں یا نصوص نفسِ صحت میں برابر ہوں، ورنہ تعارض ہی متحقق نہیں ہوتا، پھر ترجیح کی نوبت کہاں سے آئے گی؟ کما في کتب الأصول۔

(جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ) اس لیے حافظ ابن حجرؒ نے اپنی فن تلخیص کی شاہکار تصنیف ''نخبۃ الفکر'' میں مخالفِ اوثق اور مخالف ثقات کی بجائے مخالف ارجح کا لفظ استعمال کیا اور ارجح کی تشریح میں متعدد وجوہِ ترجیح کے ضمن میں مخالفتِ اوثق وثقات کو بیان کیا کہ تفردِ ثقہ پر مشتمل روایت کے بالمقابل روایت میں اگر زیادتِ ضبط اور (حسبِ اصولِ شافعیہ) کثرتِ رواۃ سمیت کوئی بھی وجہ ترجیح موجود ہو تو اس کو ترجیح حاصل ہوگی، سو اس سے واضح ہے کہ اس میں دونوں ہی روایتوں کو صحیح اور ثابت تسلیم کرکے وجہ ترجیح تلاش کرنے کا حکم ہے، اس لیے کہ ترجیح دینا یہ تصحیح حدیث کے بعد کا مرحلہ ہے۔ اگر تفردِ ثقہ بوجہ مخالفِ اوثق یا ثقات ضعفِ حدیث کا سبب ہوتا تو مسئلہ یہیں ختم ہو جاتا کہ ضعیف ہونے کی بنا پر تفردِ ثقہ والی روایت ساقط ہے اور اس کے لیے مخالفت کا لفظ بھی حقیقت کی رو سے استعمال نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ مخالفت کا لفظ تعارض کا ہم معنی ہے اور تعارض دو ثابت اور صحیح روایات میں ہوتا ہے، صحیح اور ضعیف میں نہیں، کیوں کہ ضعیف میں مخالفتِ صحیح کی سکت نہیں ہوتی۔

عملی طور پر بھی حافظ ابن حجرؒ نے اسی تحقیق کو اپنایا، چنانچہ ایک مقام پر ابو ہلال کنیت کے ایک راوی کی روایت سندِ متصل کے ساتھ نقل کرکے آگے فرمایا:

هذا حديث حسن، أخرجه أحمد عن وكيع عن أبي هلال..... وأبو هلال اسمه محمد بن سليم بصري صدوق في حفظه شيء..... وقد خالف أباهلال في روايته وهيب بن خالد وهو أوثق منه، فزاد في الاسناد رجلاً. (موافقة الخبر الخبر في تخريج احاديث المختصر لابن حجرؒ ج ۲ ص ۴۴-۴۳ ط: مكتبة الرشد، الرياض)

''یہ حدیث حسن ہے امام احمد نے اس کو وکیع کے واسطے سے ابو ہلال سے روایت کیا ہے۔ ابو ہلال کا نام محمد بن سلیم ہے، بصرہ کے رہنے والے ہیں، صدوق (سچے) ہیں، البتہ قوتِ حفظ میں کچھ کمی ہے۔ ابو ہلال کی اس روایت میں وہیب بن خالد (نامی راوی) نے مخالفت کی ہے جو کہ اس (ابو ہلال) سے اوثق (زیادہ ثقہ) ہیں، چنانچہ انہوں نے سند میں ایک راوی کا اضافہ کیا''۔

سو اوثق کی مخالفت کے باوجود ابو ہلال کی سند کو حسن کہنے میں یہی وجہ کارفرما تھی کہ مخالفت اوثق سے روایت میں ضعف پیدا نہیں ہوتا، نہ صحتِ سند اور صحتِ حدیث پر اس کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ) خلاصہ یہ کہ غرائبِ ثقہ کی تمام صورتیں صحتِ حدیث کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں، محض غرابتِ ثقہ کسی صورت میں بھی صحتِ روایت کے منافی نہیں، اس لیے کتبِ اصولِ حدیث میں مخالفتِ اوثق یا مخالفتِ ثقات پر مشتمل غریب ثقہ کو ''شاذ مردود'' جو کہا گیا ہے وہ شاذ مرجوح کے معنی میں [illegible] ت ہے، یہ صحت کے منافی نہیں، لیکن مردود بمعنی ساقط الاعتبار یا ضعیف و ناقابلِ اعتبار ہو تو واجب الاصلاح غلط ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ خود صحیحین میں ایسی غرائب ثقہ روایات ہیں جو مخالف اوثق یا ثقات ہیں، تو کیا ان پر بھی لکیر پھیر دی جائیگی؟ راقم کے مفاخر میں شامل استاد، عظیم محقق، محدث، فقیہ، متکلم، معاصرین میں تا شامِ زندگی اپنی نظیر کو ترسنے والے علامہ عبدالرشید نعمانیؒ نے ''الامام ابن ماجة و كتابه السنن'' کے ضمیمہ میں صحیحین کی ایسی ہی کچھ غریب احادیث بطورِ مثال ذکر کر دی ہیں، قارئین مراجعت کرکے علومِ اوائل کی جھلک وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

بہرکیف! غرائب ثقہ بھی جب صحیح ہیں، پھر زیرِ بحث حدیث کی صحت کے لیے کسی متابع کی تلاش میں پڑنا اور اس ابوالجہم ازرق کی روایت کو متابع پر موقوف کرنا، اصولِ حدیث سے ناواقفیت ہی ہو سکتی ہے، کیوں کہ غرائب ثقہ کی مخالفتِ اوثق یا مخالفتِ ثقات بھی جب صحتِ روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی جو کہ صحیحین کی احادیث کے پیشِ نظر امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کا مذہب معلوم ہوتا ہے اور ابن حجرؒ کی تحقیق بھی یہی ہے تو ''یغرب'' جیسے الفاظ سے راوی کی ثقاہت پر کیسے کوئی اثر پڑ سکتا ہے؟ شیخ البانی، ابن حبان کے ''یغرب'' لفظ کی وجہ سے (جو کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی ''تقريب التهذيب'' میں نقل کیا ہے) اس کے متابع کے پیچھے بھٹکتے رہے، جب کہ تفردِ ضعیف میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، تفردِ ثقہ میں نہیں۔ نیز کبار محدثین کے اقوال گزر چکے کہ مسند ابو یعلی کی زیرِ بحث سند مستقل صحیح ہے، متابع کی بنا پر نہیں، نہ مجموعہ روایات کی رو سے۔ شیخ شعیب ارنؤوط بھی بظاہر شیخ البانی کی تقلید میں زیرِ بحث حدیث کو ''صحيح بطرقه'' کہہ گئے، كما مر، جب کہ مسند ابو یعلی کی زیرِ بحث روایت بذاتِ خود صحیح ہے، متابع یا دیگر اسانید کی بیساکھی کے سہارے سے نہیں۔ حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۵۹۵-۵۹۴ رقم الحديث ۳۴۴۱ میں مسند ابو یعلی کی روایت کو مستقل صحیح قرار دیا ہے، جب کہ ابن حجرؒ کی حدیث و اصول حدیث اور رجال و علل میں جو مہارت و حذاقت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

یحییٰ بن ابی بکیر:

خلاصة الخزرجی صفحہ ۴۲۵ اور فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۵۹۴ میں ازرق کے اس شیخ کا نام "یحیی بن ابی کثیر" غلطی سے آیا ہے، جیسا کہ ابویعلی کی سند اور تراجم ازرق سے ظاہر ہے اور بظاہر یہ نام کے اکثر حصے میں یکسانیت اور "کثیر" اور "بکیر" میں رسم الخط کے قرب کا نتیجہ ہے۔ بہر حال یہ بخاری و مسلم سمیت صحاح ستہ کی تمام کتابوں کے راوی ہیں۔ حفاظ کبار میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ امام ذہبیؒ نے تذکرة الحفاظ میں ان کے حالات ذکر کیے ہیں اور ان کی توثیق پر فرمایا:

"یحیی بن أبی بکیر القاضي الحافظ الثقة ... قد وثقوہ... قال أحمد: كان كيّساً وقال ابن معين: ثقة"۔ (۶۴)

"یحیی بن ابی بکیر، قاضی، حافظ ہیں، ثقہ ہیں۔۔۔ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ عقل مند تھے، ابن معینؒ نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں۔"

مستلم بن سعید:

یہ سنن اربعہ کے راوی ہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"مستلم بن سعيد الثقفي الواسطي العابد... عن أحمد: شيخ ثقة... قال يحيى: والقول قول المستلم... قال النسائي: ليس به بأس وذكره ابن حبان في الثقات." (۶۵)

(۶۴) تذکرة الحفاظ ج: ۱۰، ص: ۳۷۵، رقم الترجمة: ۳۸۴ ط: دار الکتب العلمیة۔

(۶۵) تهذيب التهذيب ج: ۱۰۰ ص: ۹۵، رقم الترجمة: ۱۹۵، من حرف الميم، ط: عبدالتواب اکادمی—ملتان۔

"مستلم بن سعید ثقفی، واسطی عابد۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ ثقہ شیخ ہیں، یحیی بن معین نے (ایک سند پر کلام کرتے ہوئے) فرمایا (اس میں) مستلم کی روایت ہی معتبر ہے۔۔۔ امام نسائی نے فرمایا: ان (کی روایت) میں کوئی قباحت کی چیز نہیں اور ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

حجاج بن الاسود القسملی:

یہ اس (مسند ابویعلی کی) سند میں صرف نام کے ساتھ مذکور ہے، مگر دار قطنیؒ کی روایت اور حافظ ابن حجرؒ کے زیر مطالعہ رہنے والے نسخے کے مطابق امام بیہقیؒ کی روایت جو کہ "حیاة الانبیاء" میں ہے اس میں بھی "حجاج" کے ساتھ "الاسود" کی تصریح موجود ہے (کمامر)، البتہ "حجاج" کے بعض تلامذہ روایت کرتے وقت ان کو "حجاج الاسود" کی بجائے "حجاج بن الاسود" کہہ دیتے ہیں۔ (۶۶)

امام ذہبیؒ اپنی شروع کی تصانیف میں شامل "میزان الاعتدال" میں "بن الاسود" کے لفظ سے گڑبڑا گئے، جب کہ امام ابن حبان نے "الثقات" میں وضاحت بھی کر دی ہے کہ ان کے بعض شاگرد ان کو "ابن الاسود" کہہ دیتے ہیں اور اگلے صفحات میں زیر بحث حدیث کی دوسری اسانید میں اس کی تصدیق بھی ہو جائے گی کہ ان (حجاج الاسود) کو ان اسانید میں "حجاج بن الاسود" ہی کہا گیا ہے۔

امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حجاج الأسود هو القسملي، رجل صالح عابد، يقال

(۶۶) کتاب الثقات لابن حبان ج: ۳، ص: ۲۹۲ — لسان المیزان ج: ۲، ص: ۱۷۶۔

له زق العسل.... وثقه ابن معين وغيره."(٦٧)

''حجاج الاسود یہ قسملی ہیں، نیک اور عبادت گزار آدمی ہیں، ان کو ''شہد کا مٹکا'' کہا جاتا ہے۔ (آگے فرمایا) ابن معینؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

اور امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"حجاج الأسود هذا من العباد يكتب كلامه وقال–ايضاً–: صالح الحديث وقال عبدالله بن أحمد بن حنبل عن أبيه: حجاج الأسود القسملي رجل صالح حدث عنه حماد بن سلمة، ماأرى به بأساً، قال عبدالله: وسألت يحيى بن معين عن حجاج الأسود فقال: ثقة حدث عنه حماد بن سلمة وهو بصري ثقة."(٦٨)

''حجاج الاسود عابد زاہد لوگوں میں سے ہیں، ان کی حدیثیں لکھی جا سکتی ہیں، انہوں نے (ابوحاتم) نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث کی صلاحیت والے ہیں۔ عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے اپنے والد (احمد بن حنبلؒ) سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ حجاج بن الاسود قسملی، یہ نیک آدمی ہیں، حماد بن سلمہ نے ان سے حدیث روایت کی ہیں، میں ان (حجاج سے روایت کرنے) میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ عبداللہ (بن

(٦٧) تاريخ الاسلام للذهبيؒ ج:٣، ص: ٨٤٢، الطبقة الخامسة عشرة، رقم الترجمة: ٨١، منها، ومثله في سير أعلام النبلاء للذهبي ج:٧، ص:٦٧، ط: مؤسسة الرسالة۔

(٦٨) تهذيب الكمال للمزيؒ ج:٦، ص:٦٠، رقم الترجمة: ١١٠١، ط:مؤسسة الرسالة۔

احمدؒ) فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج الاسود کے بارے میں یحییٰ بن معین سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں، حماد بن سلمہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے اور وہ بصرہ کے رہنے والے ہیں، ثقہ ہیں''

ثابت البنانی:

یہ صحیحین سمیت تمام صحاح ستہ کے راوی ہیں، بہت سے صحابہؓ سے روایت کرنے والے مشہور تابعی ہیں۔ امام ذہبیؒ ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"ثابت بن أسلم البناني أبو محمد أحد أئمة التابعين في البصرة وكان رأساً في العلم والعمل ثقة رفيعاً."(٦٩)

''ثابت بن اسلم بنانی ابومحمد (کنیت ہے)، بصرہ کے ائمہ تابعین میں سے ہیں (آگے فرمایا) آپ علم و عمل میں چوٹی کے آدمی تھے، اونچے پائے کے ثقہ تھے''

اور اپنی دوسری عظیم الشان تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں فرمایا:

"ثابت بن أسلم الامام القدوة شيخ الاسلام أبومحمد البناني... قال أبوطالب: سألت أحمد بن حنبل عن ثابت... فقال: ثابت تثبت في الحديث... وكان أذكر وكان محدثاًمن الثقات المامونين صحيح الحديث، وقال أحمد العجلي: ثقة رجل صالح، رقال النسائي: ثقة، وقال أبو حاتم الرازي: أثبت أصحاب

(٦٩) تاريخ الاسلام للذهبيؒ ج:٣، ص: ٣٨٢، الطبقة الثالثةعشرة، رقم الترجمة: ٣٥ منها، ط: دارالغرب الاسلامي، بيروت–تحقيق بشار۔

أنس بن مالکؓ: الزهري ثم ثابت ثم قتادة."(۷۰)

"ثابت بن اسلم امام، مقتدا اور شیخ الاسلام ہیں، ابومحمد (کنیت ہے)، (نسبتاً) بنانی ہیں، (آگے فرمایا) ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے ثابت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ثابت حدیث (روایت کرنے) میں معتمد تھے۔ ان کو (حدیثیں) خوب یاد تھیں، خطا سے محفوظ اور صحیح حدیثیں سنانے والے ثقہ محدث تھے اور احمد بن عجلی فرماتے ہیں کہ: حضرت انس بن مالکؓ کے تلامذہ میں سب سے معتمد زہریؒ، پھر ثابتؒ، اس کے بعد قتادہؒ ہیں"۔

مسلم شریف، صحیح ابن حبان وغیرہ میں مذکور قبر میں موسیٰ علیہ السلام کی نماز کے مشاہدے کی حدیثِ مرفوع بھی ثابت بنانیؒ نے آپ ﷺ کے دس سالہ خادم حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے، اور زیرِ بحث حیاۃ الانبیاء کی حدیث بھی ثابت بنانیؒ نے ہی حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔ آپ نماز کے شیدائی تھے۔ ان انبیاء علیہم السلام کی صلوٰۃ فی القبر کی احادیث سے آپ کے دل میں بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شوق انگڑائی لینے لگا، چنانچہ ایک روز اپنے شاگردِ خاص حمید الطویل سے اس شوقِ دروں کو بے حجاب کرتے ہوئے کہنے لگے:

"هل بلغك يا أبا عبيد أن أحداً يصلي في قبره الا الأنبياء، قال: لا، قال: ثابت اللهم ان أذنت لأحد أن يصلي في قبره فأذن لثابت أن يصلي في قبره."(۷۱)

"اے ابوعبید! کیا تمہیں کوئی ایسی حدیث پہنچی ہے (جس میں ہو) کہ

(۷۰) سیر أعلام النبلاء ج:۵، ص:۲۲۰-۲۲۲ ط: مؤسسة الرسالة۔

(۷۱) حلیة الأولیاء لأبي نعیم ج:۲، ص:۳۶۲، رقم الترجمة:۲۵۶۲، ط: ادارة تالیفات اشرفیه-ملتان۔

کوئی ایسا بھی ہوگا جو اپنی قبر میں نماز پڑھے گا سوائے انبیاء علیہم السلام کے؟ انہوں نے (حمید الطویل نے) کہا: جی نہیں۔ تو ثابتؒ نے کہا: اے اللہ! اگر تو نے کسی (امتی) کو اپنی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو ثابت کو بھی اس کی اجازت عنایت فرما کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھے۔"

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"فيقال: ان هذه الدعوة استجيبت له وانه رئي بعد موته يصلي في قبره."(۷۲)

"سو کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ دعا ان کے حق میں قبول بھی ہوئی، چنانچہ انتقال کے بعد ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا۔"

اس طرح آپ قبر میں نماز پڑھتے کیسے نظر آئے؟ ابونعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء میں اپنی سند کے ساتھ اس کی تفصیل درج کی ہے، یہاں اس کی تفصیل کا ذکر باعثِ تطویل ہوگا۔ قارئین راقم کی کتاب "موت سے واپسی کے ایمان افروز واقعات" کے صفحہ ۱۶۱ و۱۶۲ پر اس کی تفصیل ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

انس بن مالک خزرجیؓ:

یہ مشہور خادمِ رسول ﷺ، انصاری صحابی ہیں، آپ ﷺ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث روایت کی ہیں، ایک اور صحابیؓ ہیں جو نام، ولدیت اور صحابی ہونے میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، وہ حضرت انس بن مالک کعبی اشہلی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

(۷۲) سیر أعلام النبلاء، ج:۵، ص:۲۲۲، ط: مؤسسة الرسالة-بیروت۔

اتصالِ سند کا اعلیٰ درجہ

اتصالِ سند کا اعلیٰ درجہ

ابو یعلی کی اس سند کے تمام راویوں کا اپنے شیخ سے لقاء وسماع حدیث کتبِ تراجم میں صراحۃً مذکور ہے گو کہ امکانِ لقاء بوجہ معاصرت وسفرِ بلادِ شیخ ہی اتصالِ سند کے لیے صحیح قول کے مطابق کافی ہوتا ہے، ثبوتِ لقاء وصراحتِ سماع کا کتبِ تراجم میں ملنا ضروری نہیں ہوتا۔

امام بخاریؒ وغیرہ کی طرف سے اتصالِ سند وصحتِ سند کے لئے بھی عائدہ کردہ ثبوتِ لقاء کی سخت شرط بھی اس میں پائی جاتی ہے، اب جب کہ اس کے تمام رجالِ سند ثقہ ثابت ہو چکے تو اس کے اعلی درجے کے اس اتصالِ سند کو بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ابو یعلی کی سند:

بحث کے شروع میں مسند ابو یعلی کی سند گزر چکی ہے کہ وہ اس طرح ہے:

”حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علي حدثنا يحيى بن أبي بكير حدثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ.“

(۱) حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علي: اس میں امام ابو یعلی نے ابوالجہم الازرق بن علی سے حدیث روایت کی ہے اور امام ابو یعلی کا سماع حدیث ابوالجہم ازرق سے ثابت ہے، چنانچہ امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"الأزرق بن علي الحنفي أبو الجهم ... سمع... عنه... أبويعلى الموصلي."(۷۳)

"ازرق بن علی حنفی ابوالجہم، ان سے ابویعلی موصلیؒ نے حدیثیں سنی ہیں"۔

(۲) حدثنا یحیی بن أبي بکیر: اس میں ازرق بن علی، یحیی بن ابی بکیر سے روایت کررہے ہیں۔ کتبِ تراجم میں ازرق کی یحیی بن ابی بکیر سے روایت کا ذکر موجود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"الأزرق بن علي بن مسلم الحنفي ...أبوالجهم، روى عن ...يحيى بن أبي بكير."(۷۴)

"ازرق بن علی بن مسلم حنفی، ابوالجہم (ان کی کنیت ہے)، انہوں نے یحیی بن ابی بکیر سے روایت کی ہے۔"

(۳) حدثنا المستلم بن سعید: اس میں مستلم سے یحیی بن ابی بکیر روایت کررہے ہیں اور مستلم سے یحیی بن ابی بکیر کا روایت کرنا ثابت ہے۔ امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"مستلم بن سعيد الثقفي الواسطي...روى عنه...يحيى بن أبي بكير الكرماني."(۷۵)

"مستلم بن سعید ثقفی واسطی، ان سے ......یحیٰ بن ابی بکیر نے ......روایت بیان کی ہے۔"

(۴) عن الحجاج: اس میں مستلم نے حجاج بن ابی زیاد اسود سے روایت بیان

(۷۳) تاریخ الاسلام للذہبیؒ، ج:۵، ص:۵۲۹، ط: دارالغرب الاسلامي-بیروت.

(۷۴) تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۱۷۵، ط: عبدالتواب اکادمی-ملتان.

(۷۵) تہذیب الکمال، ج:۷، ص:۸۰، طبعة بشار في ثمانية مجلدات.

کی، سو یہ بھی ثابت ہے، چنانچہ امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"مستلم بن سعيد الثقفي الواسطي... روى عن الحجاج بن أبي زياد الأسود."(۷۶)

"مستلم بن سعید ثقفی واسطی...... یہ حجاج بن ابی زیاد الاسود سے روایت کرتے ہیں۔"

(۵) عن ثابت البناني: اس میں حجاج الاسود، حضرت ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں، سو حجاج کا ثابت بنانی سے سماع و روایت بھی ثابت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"حجاج بن أبي زياد الأسود...روى عن ثابت."(۷۷)

"حجاج بن ابی زیاد الاسود...... یہ ثابت سے روایت کرتے ہیں۔"

(۶) عن أنس بن مالکؓ: اس میں حضرت ثابت بنانیؒ، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں، سو ثابت کا حضرت انس بن مالک سے سماعِ حدیث تمام کتبِ رجال و تراجم میں مذکور ہے۔ حافظ جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"ثابت بن أسلم البناني... روى عن ... أنس بن مالكؓ"۔(۷۸)

"ثابت بن اسلم بنانی..........حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں۔"

(۷۶) تہذیب الکمال ج:۷، ص ۸۰، طبعة بشار في ثمانية مجلدات.

(۷۷) لسان المیزان ج:۲، ص:۱۷۵.

(۷۸) تہذیب الکمال، ج:۱، ص:۴۰۳، طبعة بشار في ثمانية مجلدات.

۲:.......امام ابونعیمؒ اصفہانیؒ کی روایت

(۲) امام ابونعیم اصفہانیؒ کی روایت

"حدثنا علي بن محمود ثنا عبدالله بن ابراهيم بن الصباح ثنا عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير ثنا يحيى بن أبي بكير ثنا مستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن أنس بن مالك ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."(۷۹)

"ہمیں علی بن محمود نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں عبداللہ بن ابراہیم بن صباح نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں یحیی بن ابی بکیر نے یہ حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں مستلم بن سعید نے یہ حدیث سنائی حجاج سے، انہوں نے ثابت بنانی سے، انہوں نے انس بن مالکؓ سے، (انسؓ نے) فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔"

اس حدیث کے راویوں کے احوال

علی بن محمود المدینی:

امام ابونعیم اصفہانیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۷۹) ذکر أخبار اصبهان لأبي نعيم الأصبهاني، ج: ۲، ص: ۴۴، ط: دارالکتب العلمیة.

"علي بن محمود بن علي بن مالك بن الأخطل أبو الحسن المديني ثقة صاحب أصول كثير الحديث."(٨٠)

"علی بن محمود بن علی بن مالک بن اخطل ابوالحسن (کنیت ہے) مدینی (نسبت ہے) ثقہ ہیں، صاحبِ اصول اور احادیث کثیرہ کے راوی ہیں"۔

عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح:

امام ابونعیم اصبہانیؒ نے تاریخ اصبہان میں ان کے حالات لکھے ہیں، یہ مقریؒ سے ملقب تھے، ان کے تین شاگرد امام ابونعیمؒ نے اپنے اساتذۂ احادیث میں ذکر کیے ہیں اور ہرایک کی سند سے ایک ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔(٨١)

البتہ امام ابونعیم نے ان کے بارے میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی، سو تضعیف یا توثیق سے حالات نگار اور مولفین کتب رجال سکوت اختیار کریں تو ایسا راوی ثقہ ہی شمار ہوتا ہے۔امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"الثقة من وثقه كثير ولم يضعف ودونه من لم يوثق ولا ضعف."(٨٢)

---

(٨٠)أخبار اصبهان ج: ١، ص: ٣٣٣، رقم الترجمة: ٨٧٥.

(٨١)تاريخ اصبهان ج: ٢، ص: ٣٣.

(٨٢)الموقظة في علم مصطلح الحديث للامام الذهبيؒ ص: ٨٧، ط: المطبوعات الاسلامية، حلب شام.

"ثقہ وہ (راوی) ہے جس کی توثیق بہت سے لوگوں نے کی ہے اور اس کی تضعیف نہیں کی گئی اور اس سے کم درجہ میں (ثقہ) وہ راوی ہے جس کی نہ توثیق کی گئی نہ ہی تضعیف۔"

محدثِ عالم امام ابن مندہؒ (ابوعبداللہ محمد بن اسحاق) متوفی ٣٩٥ھ بھی زیر بحث راوی کے تلمیذِ حدیث ہیں۔ (جب کہ امام ابونعیمؒ کے استاذ ہیں) امام ابن مندہؒ نے اپنے اس استاذ (عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح) سے خوب استفادہ کیا ان سے احادیث کا بڑا ذخیرہ حاصل کیا، چنانچہ اپنی کثیر تصانیف میں سے تقریباً ہر تصنیف میں اپنے اس شیخ سے روایتیں نقل کیں، ان میں سے "کتاب الایمان، کتاب التوحید، معرفة الصحابةؓ، فتح الباب في الكنى والألقاب، الفوائد اور مجالس من أمالي ابن منده" راقم کے مطالعہ میں آئی ہیں، ان سب میں ابن مندہؒ نے اپنے اس شیخ سے روایتیں نقل کی ہیں اور ان روایتوں سے عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح کے کثیر شیوخ کا پتہ چلتا ہے، جیسے اخبار اصبہان کی دونوں جلدوں سے ان کے کثیر تلامذہ کا۔ یہ سب روایتِ حدیث میں عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح کی شہرت، ثقاہت اور حدیث میں مہارت کا پتہ دیتے ہیں۔ امام ذہبیؒ ایسے شیوخ ومحدثین کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"وفي رواة الصحيحين عدد كثير ما علمنا أن أحداً نص على توثيقهم والجمهور على أن من كان من المشايخ قد روى عنه جماعة ولم يأت بما ينكر عليه أن حديثه صحيح."(٨٣)

"صحیحین (بخاری ومسلم) میں ایسے راویوں کی بڑی تعداد موجود ہے کہ کوئی ایک شخص بھی ہمیں معلوم نہیں کہ جس نے ان (راویوں) کے ثقہ

---

(٨٣)ميزان الاعتدال للامام الذهبيؒ، ج: ٣، ص: ٤٢٦، ترجمة مالك بن خير الزبادي المصري.

ہونے کی صراحت کی ہو اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جو شیخ (راوی) ایسے ہیں کہ ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے اور قابلِ نکیر کوئی روایت بیان نہیں کی تو ایسے شیخ کی روایت صحیح ہے۔"

اور اصولِ حدیث کی رو سے دو یا اس سے زائد کی روایت سے مروی عنہ شیخ (راوی) مجہول کے دائرے سے نکل جاتے ہیں، اس کے بعد جرحِ مفسر جب تک ثابت نہ ہو، ایسے شیخ ثقہ ہوتے ہیں۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"وقد اشتهر عند طوائف من المتأخرين اطلاق اسم الثقة على من لم يجرح مع ارتفاع الجهالة عنه." (۸۴)

"(محدثین) متاخرین کے طبقوں میں ہر ایسے راوی پر ثقہ کا لفظ استعمال کرنا مشہور ہے کہ جس (راوی) پر جرح نہ کی گئی ہو اور وہ مجہول کے درجے میں بھی نہ ہو۔"

محقق عبدالفتاح ابوغدہؒ اس کو جمہور محققین متاخرین کا مذہب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثم رأيت كلاماً للامام ابن دقيق العيد يتلاقى فيه مع رأي جمهور النقاد المتاخرين الذين يرون سكوت المتكلمين في الرجال عن جرح الراوي يعد توثيقاً له." (۸۵)

"اس کے بعد میں نے امام ابن دقیق العید کا ایک کلام دیکھا جس میں

(۸۴) الموقظة في علم مصطلح الحديث للامام الذهبيؒ ص: ۷۸.

(۸۵) حاشية الرفع والتكميل للمحقق عبدالفتاح ص: ۲۳۴.

انہوں نے جمہور محققین متاخرین کی رائے سے اتفاق کیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ رواۃ پر کلام کرنے والوں کا کسی راوی پر جرح کرنے سے سکوت اختیار کرنا اس راوی کی توثیق شمار ہوتی ہے۔"

امام ابن الصلاح (ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن) مقدمۂ ابن الصلاح میں فرماتے ہیں:

"ويشبه أن يكون العمل على هذا الراي في كثير من الكتب المشهورة في غير واحد من الرواة الذين تقادم العهد بهم وتعذر الخبرة الباطنة بهم." (۸۶)

حدیث کی بہت سی مشہور کتابوں کے کئی ایسے راویوں کے بارے میں اس رائے (ثبوتِ جرح نہ ہونے پر ثقہ شمار کیا جانا) پر عمل متعین (واجب) ہے کہ جو قدیم زمانے میں گزرے ہیں اور ان کی ثقاہت اور ضعف سے آگاہی حاصل کرنا ناممکن ہو چکا ہے۔"

حاصل یہ کہ شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن الصباح اصفہان کے مشہور بلکہ مرجع ثقات اور کثیر الحدیث محدث تھے، کسی نے ان پر کلام نہیں کیا، جس سے ان کا ثقہ ہونا ظاہر ہے۔

عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر:

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير عن جده – قاضي كرمان – وعنه ابن صاعد ومحمد بن مخلد وثقه الخطيب". (۸۷)

(۸۶) مقدمة ابن الصلاح، ص: ۱۱۲، ط: دار الفكر۔

(۸۷) تاريخ الاسلام ج: ۶، ص: ۱۰۹، الطبقة السادسة والعشرون، رقم الترجمة منها ۲۹۵، ط: دار غرب الاسلامي، تاريخ البغداد للخطيبؒ ج: ۱۱، ص: ۲۷۸ بتحقيق البشار۔

''عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن ابی بکیر انہوں نے اپنے دادا (یحییٰ بن ابی بکیر) سے حدیثیں سنی ہیں، یہ کرمان کے قاضی تھے، ان سے ابن صاعد اور محمد بن مخلد نے حدیثیں سنی ہیں، خطیب نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

آگے کی سند بعینہ مسند ابو یعلی کی طرح ہے، جس کے رجال پر کلام گزر چکا ہے اور اس میں واضح ہو چکا ہے کہ سارے ثقہ راوی ہیں، لہٰذا امام ابو نعیم اصفہانیؒ کی سند سے بھی یہ حدیث (الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون) صحیح ہے کہ اس کے بھی سارے رجال ثقہ ہیں۔

۳:......امام عبدالغنی بن سعیدؒ کی روایت

(۳) امام عبدالغنی بن سعیدؒ کی روایت:

امام کبیر حافظ عبدالغنی بن سعیدؒ (متوفی ۴۰۹ھ) اپنی مایہ ناز محققانہ تصنیف "ایضاح الاشکال" میں روایت کرتے ہیں:

"حدثنا ابراهيم بن علي الحنائي حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد حدثنا عبدالله بن محمدبن يحيى بن أبي بكير ثنا يحيى بن أبي بكير ثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن أنس بن مالك ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."

"ہمیں ابراہیم بن علی حنائی نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں یحییٰ بن محمد بن صاعد نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن ابی بکیر نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں یحییٰ بن ابی بکیر نے حدیث سنائی، فرمایا، ہمیں مستلم بن سعید نے حدیث سنائی حجاج سے، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

واضح رہے کہ حافظ عبدالغنی رحمہ اللہ کی "ایضاح المشکل" اسماء اور اسمائے آباء میں اشتراک رکھنے والے رجال پر محققانہ کتاب ہے، تہذیب الکمال میں اس کے بہت حوالے ہیں، اس میں مصنفؒ اپنی سند سے متعلقہ راوی کی احادیث وروایات ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ حجاج الاسود کے حالات میں انہوں نے یہ حدیث سندِ بالا سے اس

کتاب میں ذکر کی۔ سیرتِ شامیہ کے مشہور مصنف علامہ محمد یوسف صالحیؒ نے بھی حافظ عبدالغنی بن سعیدؒ کی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے:

"وقال الحافظ عبدالغني بن سعيد: حدثنا ابراهيم بن علي الحنائي حدثنا يحيى بن محمدبن صاعد حدثنا عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير ثنا يحيى بن أبي بكير به." (۸۸)

"حافظ عبدالغنی بن سعید نے (حدیث بالا کی سند ذکر کرتے ہوئے) فرمایا:

"حدثنا ابراهيم بن علي الحنائي حدثنا يحيى بن محمدبن صاعد حدثنا عبدالله بن محمد بن يحيى بن أبي بكير ثنا يحيى بن أبي بكير، (آگے) سندِ سابق کی طرح ہے)".

سبل الهدى والرشاد کے مطبوعہ نسخے میں "الحنائی" کا لفظ "الجبائی" سے اور صاعد کا لفظ ساعدۃ سے تصحیف ہو کر چھپا ہے، جس کی وجہ سے راوی کی تعیین میں بہت دقت ہوئی، والأجر عند الله.

اب اس سند کے راویوں پر نظر ڈالتے ہیں:

ابراہیم بن علی الحنائی:

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ابراهيم بن علي بن أحمد أبو محمد البصري

(۸۸) سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد للعلامة محمد صالحي الشامي، ج: ۱۲، ص: ۳۵۶، ط: دار الكتب العلمية۔

المعروف بالحنائي يسمع أبامسلم الكجي والحسن بن المثنى وأباخليفة وبدمشق في الكهولة من الحصائري وعنه شهاب بن محمد الصوري وعبدالله بن علي الأبزوني وجماعة". (۸۹)

"ابراہیم بن علی احمد (کنیت) ابومحمد، بصرہ کے رہنے والے ہیں اور حنائی سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ابومسلم کجی، حسن بن المثنی، ابوخلیفہ، اور بڑھاپے میں حصائری سے حدیثیں سنی ہیں اوران سے (حدیثیں) سننے والوں میں شہاب بن محمد صوری، عبداللہ بن علی ابزونی اور ایک پوری جماعت ہے۔"

اوراس جماعت میں امام عبدالغنی بن سعید جیسے امام، حافظ، حجت اور محدثِ بلادِ مصر بھی شامل ہیں۔ (۹۰)

اوربھی کئی تلامذہ اور شیوخ حنائی کا تذکرہ حافظ ابن عساکرؒ (ابوالقاسم علی بن الحسن) متوفی ۵۷۱ھ نے "تاریخ دمشق" کی جلد ۷ کے صفحہ ۵۶ تا ۵۷ پر کیا ہے، جس سے محدث حنائی کا حدیث کے میدان میں نام ومقام کا پتہ چلتا ہے اورسب نے ان کے مثبت حالات ذکر کیے ہیں، کسی قسم کی جرح یا تضعیف کسی نے ذکرنہیں کی۔ پہلے مفصل گزر چکا ہے کہ ایسے راوی کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا ہے، لہٰذا محدث حنائی کا ثقہ ہونا ظاہر ہے۔

یحیی بن محمد بن صاعد:

(۸۹) تاریخ الاسلام للذہبیؒ، ج:۷، ص:۹۰۵، الطبقة الخامسة والثلاثون، رقم الترجمة منها ۴۱۱۔

(۹۰) سیر أعلام النبلاء للذہبیؒ ج:۱۷، ص:۲۶۸.

امام ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"يحيى بن محمد بن صاعد بن كاتب الامام الحافظ المجود محدث العراق أبومحمد الهاشمي البغدادي رحال جوال عالم بالعلل والرجال". (۹۱)

"یحیی بن محمد بن صاعد بن کاتب۔ امام، حافظ، مجود اور محدثِ عراق ہیں، ابومحمد (کنیت ہے)، ہاشمی بغدادی ہیں (آگے فرمایا) حدیث کے لیے بہت سفر کرنے والے، دنیا بھر کا چکر لگانے والے، عللِ حدیث اوررجال کا علم رکھنے والے ہیں۔"

امام ابویعلی خلیلیؒ (الخلیل بن عبداللہ القزوینیؒ) متوفی ۴۴۶ھ فرماتے ہیں:

"أبومحمد يحيى بن محمد بن صاعد ... ثقة امام يفوق في الحفظ أهل زمانه." (۹۲)

"ابومحمد یحیی بن محمد بن صاعد۔۔۔ ثقہ ہیں، امام ہیں، حفظِ حدیث میں اپنے زمانے کے محدثین پرفوقیت رکھتے ہیں۔"

آگے عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر سے سندِ سابق کی طرح ہے، جس کے رجال کے بارے میں مفصل گزر چکا ہے کہ سب ثقہ راوی ہیں۔ اس لیے امام عبدالغنی بن سعیدؒ کی اس سند کے سارے رجال ثقہ اور حدیث "الأنبياء أحياء في قبورهم

(۹۱) سیر أعلام النبلاء للذہبیؒ ج:۱۴، ص:۵۰۱، ط: مؤسسة الرسالة-بیروت.

(۹۲) كتاب الارشاد في معرفة علماء الحديث للخليليؒ، ج:۲، ص:۶۱۱، (مسلسل) رقم الترجمة: ۳۳۲، ط: مكتبة الرشد-رياض۔

یصلون" کی یہ سند بھی صحیح ہے۔

سو یہ کل تین سندیں ہوئیں، جو بالکل صحیح اور ان کے سارے رجال و رواۃ ثقہ ہیں۔ اجلۂ محدثین ان سندوں کو صحیح اور اور ان کے رجال کو ثقہ کہتے ہیں۔ اس لیے زیرِ بحث "الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون" والی حدیث یقیناً صحیح اور بے غبار سندوں سے ثابت ہے، اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔

امام ابن الملقنؒ (ابو حفص عمرو بن علیؒ) متوفی ۸۰۴ھ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"عن أنس رضی اللہ عنہ قال: ان النبي ﷺ قال: الأنبیاء أحیاء في قبورهم یصلون... وأما ابن السكن فذكر الحديث من وجهين في سننه الصحاح."(۹۳)

"حضرت انس بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں (آگے فرمایا) ابن السکنؒ نے اس حدیث کو دو سندوں سے اپنی "السنن الصحاح" میں روایت کیا ہے۔"

کتاب کے نام سے واضح ہے کہ امام ابن السکن (حافظ اکبیر ابو علی سعید بن عثمانؒ) متوفی ۳۵۳ھ نے فقہی ابواب کی ترتیب سے صحیح احادیث کا ایک مجموعہ تالیف کر کے، "السنن الصحاح" کے نام سے اسے موسوم کیا اور اس میں صحت کا التزام کرتے ہوئے صرف وہی حدیثیں درج کیں جو سند کی رو سے بھی صحیح ہیں اور متن کی رو سے بھی۔ اور انہوں نے اس کتاب میں زیرِ بحث حدیث دو سندوں سے روایت کی ہے۔ اس وقت یہ کتاب پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دو صحیح سندیں سابق میں مذکور تین میں سے

(۹۳) البدر المنیر للامام ابن الملقنؒ، ج: ۱۳، ص: ۱٦٧، ط: دار العاصمة – الرياض.

کوئی دو ہیں یا کوئی اور دو صحیح سندیں ان کو اس حدیث کی ملی تھیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ امام ابن سکنؒ زیرِ بحث حدیث کو دو سندوں سے صحیح فرماتے ہیں۔

چار صحیح لغیرہ روایات

ا:......امام ابوبکر بزارؒ
کی روایت

(۱) امام ابوبکر بزارؒ کی روایت:

امام ابوبکر بزارؒ (احمد بن عمرو العتکی) متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

"حدثنا رزق اللہ بن موسیٰ حدثنا الحسن بن قتيبة حدثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج يعني الصواف عن ثابت عن أنسؓ أن رسول الله ﷺ قال: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."(۹۴)

"ہمیں رزق اللہ بن موسیٰ نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حسن بن قتیبہ نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مستلم بن سعید نے حدیث سنائی حجاج سے، مراد حجاج صواف ہے، انہوں نے ثابت سے اور انہوں نے انسؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

اس سند میں شروع کے دو راوی سے آگے کی سند بعینہ امام ابو یعلیٰؒ، امام ابو نعیمؒ اور حافظ عبدالغنی بن سعیدؒ کی ہے۔ اس حصے کے سارے رجال کا ثقہ ہونا مفصل بیان ہو چکا ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ بزار کی اس سند میں حجاج کو جو "حجاج صواف" کہا گیا ہے، یہ وہم

(۹۴) البحر الزخار المعروف بـ"مسند البزار"، ج:۱۳، ص:۲۹۹، رقم الحديث: ۶۸۸۸، ط: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة. وذكره الحافظ ابن حجرؒ في المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج:۱۴، ص:۲۲۶، رقم الحديث: ۳۴۴۶ والهيثمي في كشف الأستار ج:۳، ص:۱۰۱، رقم الحديث: ۲۳۴.

ہے، یہ حجاج الاسود ہیں جیسا کہ بیہقی اور دارقطنی میں اس کی صراحت ہے۔ یہاں "یعنی" کہہ کر محض وہم سے "الصواف" کا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔

اب شروع کے دو راویوں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں:

رزق اللہ بن موسیٰ:

امام جمال الدین مزیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"رزق الله بن موسىٰ الناجي أبو بكر ويقال أبو الفضل البغدادي الإسكافي الكلوذاني... روى عنه النسائي وابن ماجة... قال أبو بكر الخطيبؒ: كان ثقة وذكره ابن حبان في كتاب الثقات."(۹۵)

"رزق اللہ بن موسیٰ ناجی۔ (کنیت) ابوبکر اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (کنیت) ابو الفضل ہے، بغدادی اسکافی کلوذانی ہیں (آگے فرمایا) ان سے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ (آگے فرمایا) ابوبکر خطیب فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ تھے۔ ابن حبان نے بھی ان کو اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔"

الحسن بن قتیبہ:

امام ابن حبان بستیؒ ان کے بارے میں "کتاب الثقات" میں لکھتے ہیں:

"الحسن بن قتيبة الخزاعي شيخ من أهل المدائن سكن بغداد، يروي عن مسعر بن كدام وشعبة روى عنه ابن

(۹۵) تهذيب الكمال ج:۲، ص:۳۸۱، ط: مؤسسة الرسالة في ثمانية مجلدات.

أبي شيبة وأهل العراق كان يخطئ ويخالف.»(٩٦)

”حسن بن قتیبہ خزاعی، مدائن کے رہنے والے محدث ہیں، بغداد میں جا بسے تھے۔ مسعر بن کدام اور شعبہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن ابی شیبہ اور اہلِ عراق نے روایت کی ہے۔ خطا کر جاتے ہیں اور (ثقات) کی مخالفت کر لیتے ہیں۔“

اس میں امام ابن حبانؒ نے حسن بن قتیبہ کے دین اور دیانت پر کوئی سوال نہیں اٹھایا البتہ ایک کمزوری ان میں یہ بیان فرمائی کہ خطا کر جاتے ہیں اور ثقات کی مخالفت کر لیتے ہیں۔ سو زیرِ بحث روایت میں ان کے شیخ مستلم بن سعید ہیں اور مسند ابو یعلی وغیرہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ مستلم کے ایک اور حافظ متقن اور مضبوط ثقہ شاگرد یحیی بن ابی بکیر بھی مستلم سے یہ روایت سنداً و متناً اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسن بن قتیبہ نے یہ حدیث اپنے شیخ مستلم سے یاد رکھی ہے، اس میں خطا یا مخالفت نہیں کی تو یہ کمزوری بھی اس روایت میں منتفی ہو گئی، امام ابن حبانؒ نے بھی ”ثقات“ میں تذکرہ کر کے ابن قتیبہ کے فی نفسہ ثقہ ہونے کی تصریح کر دی۔

مستلم بن سعیدؒ سے لے کر آگے کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں، جیسا کہ سابقہ اوراق میں گزرا۔

(٩٦) كتاب الثقات ج:٥، ص:١٠٩، رقم الترجمة:٢٧٧ ط: دار الكتب العلمية–بيروت

٢:......امام ابن عدیؒ کی روایت

(۴) امام ابن عدیؒ کی روایت:

امام ابن عدیؒ (ابواحمد عبداللہ بن عدی) متوفی ۳۶۵ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا قسطنطين بن عبدالله الرومي مولى المعتمد على الله أمير المؤمنين ثنا الحسن بن عرفة حدثني الحسن بن قتيبة المدائني ثنا المستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنس ؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (۹۷)

"ہمیں قسطنطین بن عبداللہ رومی نے حدیث سنائی جو کہ امیر المومنین معتمد علی اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرمایا: ہمیں حسن بن عرفہ نے حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں حسن بن قتیبہ مدائنی نے حدیث سنائی، فرمایا: ہمیں مستلم بن سعید ثقفی نے حدیث سنائی حجاج بن اسود سے، انہوں نے ثابت بنانی سے، انہوں نے حضرت انسؓ سے کہ انہوں نے (حضرت انسؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔"

امام بیہقیؒ نے ابن عدیؒ کی اس روایت کو اپنی سند سے اس طرح نقل کیا ہے:

أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد بن الخليل الصوفي قال

(۹۷) الكامل لابن عدي ج:۳، ص: ۱۷۳، ترجمة الحسن بن قتيبث المدائني، رقم الترجمة: ۴۶۰، ط: دار الكتب العلمية-بيروت، وذكره ابن حجرؒ في لسان الميزان ج:۲، ص: ۲۴۶۔

أنبأ أبو أحمد عبدالله بن عدي الحافظ قال ثنا قسطنطين بن عبدالله الرومي قال حدثنا الحسن بن عرفة قال حدثني الحسن بن قتيبة ثنا المستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنس ؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (۹۸)

حافظ کبیر ابن نجارؒ (ابوعبداللہ محمد بن محمود) متوفی ۶۴۳ھ اپنی سند سے امام ابن عدیؒ کی روایتِ بالا امام بیہقیؒ کے واسطے سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

"أخبرني عبدالرحمن بن ابراهيم بدمشق أنبأ أبو منصور الفضل بن الحسن بن اسماعيل الطبراني الصوفي ببغداد أنبأ أبو بكر محمد بن علي بن ياسر الأنصاري أنبأ أبو سعد هبة الله بن القاسم بن عطاء المهراني أنبأ أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي أنبأ أبو سعد أحمد بن محمد بن الخليل الصوفي أنبأ أبو أحمد عبدالله بن عدي الحافظ حدثنا قسطنطين بن عبدالله الرومي ثنا الحسن بن عرفة حدثني الحسن بن قتيبة المدائني ثنا المستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنس بن مالك ؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: الأنبياء

(۹۸) حياة الأنبياء في قبورهم للبيهقيؒ ص: ۳، رقم الحديث: ۱۔

أحياء في قبورهم يصلون." (۹۹)

حافظ ابن عدیؒ کی اس روایت میں شروع کے دو راوی سے آگے کی سند بعینہٖ مسند بزار کی سابقہ روایت کی سند ہے اور اس پر کلام ہو چکا ہے اور شروع کے دو راویوں کے حالات یہ ہیں:

قسطنطین بن عبداللہ الرومی:

خطیب بغدادیؒ (ابو بکر احمد بن علی) متوفی ۴۶۳ھ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قسطنطين بن عبدالله-أبو الحسن-مولى المعتمد على الله-كان بسرّمن رأى وحدث عن أبي بكر وعثمان ابني أبي شيبة واسحاق بن الضيف والحسن بن عرفة روى عنه ابن عدي الجرجاني". (۱۰۰)

"قسطنطین بن عبداللہ ابوالحسن (کنیت ہے، خلیفہ) معتمد علی اللہ کے آزادکردہ غلام ہیں، سرمن رای میں رہتے تھے، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، اسحاق بن الضیف اور حسن بن عرفہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن عدی جرجانی نے روایت کی ہے"۔

---

(۹۹) ذیل تاریخ بغداد للامام ابن النجارؒ ج:۵، ص:۱۵۷، ترجمة شيخ الشيوخ أبي منصور الفضل بن الحسن بن اسماعيل الطبراني الصوفي، رقم الترجمة:۱۳۳۴، ط: دارالكتب العلمية- بيروت.

(۱۰۰) تاريخ بغداد للخطيبؒ ج:۱۴، ص:۵۰۰، رقم الترجمة:۶۹۰۲، ط: دارالغرب الاسلامي -بيروت۔

امام شمس الدین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"قسطنطين الرومي-مولى المعتمد-عن هشام بن عمار وأبي بكر وعثمان ابني أبي شيبة وغيرهم، تفرد عنه ابن عدي." (۱۰۱)

"قسطنطین الرومی (خلیفہ) معتمد کے آزادکردہ غلام ہیں۔ ہشام بن عمار، ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے صرف ابن عدیؒ نے روایت کی ہے۔"

خطیب بغدادیؒ اور امام ذہبیؒ نے مثبت حالات ذکر کیے جیسا کہ ظاہر ہے اور کتب تراجم میں کسی راوی پر جرح سے سکوت کی صورت میں راوی کا ثقہ ہونا پہلے حوالوں کے ساتھ گزر چکا ہے، لہٰذا یہ ثقہ ہیں۔

الحسن بن عرفہ:

امام ترمذیؒ نے ان سے بہت سی روایات اپنی "سنن" میں لی ہیں، سنن ابن ماجہ میں بھی ان سے کئی روایات ہیں۔ امام نسائیؒ کی "عمل الیوم واللیلۃ" میں بھی ان کی روایت موجود ہے۔ امام ذہبیؒ ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

"الحسن بن عرفة بن يزيد الامام المحدث الثقة مسند وقته أبو علي العبدي البغدادي المؤدب." (۱۰۲)

---

(۱۰۱) تاريخ الاسلام للامام الذهبيؒ ج:۷، ص:۱۹۱، الطبقة الحادية والثلاثون، رقم الترجمة:۴۰۶، ط: دارالغرب الاسلامي-بيروت۔

(۱۰۲) سير أعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۵۴۷، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت

”حسن بن عرفہ بن یزید، امام ہیں، محدث ہیں، ثقہ ہیں۔ اپنے وقت کے مرجعِ علمائے حدیث ہیں۔ ابوعلی (کنیت ہے) عبدی، بغدادی ہیں، استاد ہیں۔“

تہذیب الکمال میں ان کے شیوخ وتلامذہ کی لمبی فہرست ہے، جس سے ان کا حدیث سے شغف اور مرجعِ محدثین ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

سو اس سند میں بھی حسن بن قتیبہ کے علاوہ متکلم فیہ راوی کوئی نہیں ہے۔ اور یحیی بن بکیر کی روایاتِ سابقہ (تین الگ الگ سندوں سے) حسن بن قتیبہ سے خطا اور مخالفت کا احتمال ختم کر دیتی ہیں، اس لیے یہ سند بھی بالکل درست ہے۔

۳:...... امام تمام رازی رحؒ کی روایت

(۳) امام تمام رازیؒ کی روایت:

امام تمام دمشقیؒ (ابوالقاسم تمام بن محمد) متوفی ۴۱۴ھ روایت کرتے ہیں:

"أخبرنا أبو القاسم الحسن بن علي بن وثاق النصيبي قراءةً عليه سنة أربع وأربعين وثلاث مائة ثنا عبدالله بن محمد بن ناجية البغدادي أنبأ أحمد بن عبدالرحمن الحراني ثنا الحسن بن قتيبة ثنا المستنير بن سعيد عن حجاج بن الأسود عن ثابت عن أنسؓ قال: قال النبي ﷺ: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون." (۱۰۳)

"۳۴۴ھ میں ہمیں ابوالقاسم حسن بن علی بن وثاق نصیبی نے حدیث بیان کی اس حال میں کہ وہ ان کے سامنے پڑھی جارہی تھی، فرمایا: ہمیں عبداللہ بن محمد بن ناجیہ بغدادی نے حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں احمد بن عبدالرحمٰن حرانی نے حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں حسن بن قتیبہ نے حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں مستنیر بن سعید نے حدیث بیان کی، حجاج بن الاسود سے، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے حضرت انسؓ سے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔"

(۱۰۳) الفوائد للامام تمام بن محمد البجلي الرازي ثم الدمشقي ص: ۳۳، رقم الحديث: ۵۸، ط: مكتبة الرشد–الرياض۔

حافظ ابن عساکرؒ (ابوالقاسم علی بن الحسن) متوفی ۵۷۱ھ حافظ تمام دمشقیؒ کی یہ روایت اپنی سند سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

"أخبرنا أبو محمد عبدالكريم بن حمزة نا عبدالعزيز بن أحمد أنا تمام أنا أبو القاسم الحسن بن علي بن وثاق النصيبي قراءةً عليه سنة أربع وأربعين وثلاث مائة نا عبدالله بن محمد بن ناجية البغدادي نا أحمد بن عبدالرحمن الحراني نا الحسن بن قتيبة نا المستنير بن سعيد عن حجاج بن الأسود عن ثابت عن أنسؓ: قال: قال النبي ﷺ: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون." (۱۰۴)

تمام دمشقیؒ کی اس روایت میں شروع کے تین راویوں سے آگے بعینہٖ مسندِ بزار اور کامل ابن عدی کی سند ہے۔ البتہ یہاں مستلم بن سعید کی بجائے مستنیر بن سعید آیا ہے، جو کہ واضح وہم ہے جیسا کہ سابقہ تمام اسانید سے ظاہر ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ راوی مستلم بن سعید ہیں۔

اور آگے کے اس حصہ پر کلام گزر چکا ہے اور شروع کے تین راویوں کے حالات اس طرح ہیں:

ابوالقاسم الحسن بن علی:

(۱۰۴) تاریخ مدینة دمشق للحافظ ابن عساكرؒ، ج: ۱۳، ص: ۳۲۵–۳۲۴ ط: دارالفكر–بيروت۔

امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الحسن بن علي بن الوثاق أبو القاسم النصيبي الحافظ. رحل وسمع أباخليفة الجمحي وجعفر بن محمد الفريابي وأبايعلى وعنه ابن منده وتمام الرازي." (١٠٥)

"حسن بن علی بن وثاق، ابوالقاسم (کنیت ہے) نصیبی، حافظِ (حدیث)۔ (حدیث کے لیے) دوردراز کا سفر کیا۔ ابوخلیفہ جمحی، جعفر بن محمد فریابی اور ابویعلی سے حدیثیں سنیں اور ان سے ابن مندہ اور تمام رازی نے روایت کی۔"

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

"الحسن بن علي بن وثاق بن الصلت بن أبان بن زريق بن ابراهيم بن عبدالله أبو القاسم النصيبي الحافظ قدم دمشق وحدث بها في سنة أربع وأربعين وثلاث مائة عن عبدالله بن محمد بن ناجية البغدادي الموصلي... وأبي يعلى الموصلي... ومحمد بن اسحاق بن خزيمة... وغيرهم روى عنه تمام بن محمد... وأبوعبد الله بن مندة وأبوعلي سعيد بن عثمان بن السكن الحافظ." (١٠٦)

(١٠٥) تاريخ الاسلام للذهبيؒ ج:٧، ص:٩٠٧، الطبقة الخامسة والثلاثون، رقم الترجمة منها ٣٤٢ ط: دار الغرب الاسلامي–بيروت۔

(١٠٦) تاريخ مدينة دمشق ج:١٣، ص:٣٢٥، ط: دار الفكر۔

"حسن بن علی بن وثاق بن صلت بن ابان بن زریق بن ابراہیم بن عبداللہ۔ ابوالقاسم (کنیت ہے)، نصیبی، حافظِ (حدیث) ہیں دمشق آئے اور ۳۴۴ھ میں وہاں عبداللہ بن محمد بن ناجیہ بغدادی ۔۔۔، ابویعلی موصلی ۔۔۔، اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ ۔۔۔ وغیرہ سے حدیثیں بیان کیں۔ ان سے تمام بن محمد ۔۔۔ ابوعبداللہ ابن مندہ اور ابوعلی سعید بن عثمان بن السکن حافظ (حدیث) نے حدیثیں روایت کی ہیں۔"

عبداللہ بن محمد بن ناجیہ:

امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں:

"الامام الحافظ الصادق أبو محمد عبدالله بن محمد بن ناجية بن نجبة البربري ثم البغدادي حدث عنه ... خلق كثير وكان اماماً حجة بصيراً بهذا الشان." (١٠٧)

"امام، حافظ، صادق، ابومحمد (کنیت والے) عبداللہ بن محمد بن ناجیہ بن نجبہ بربری پھر بغدادی۔ ان سے بڑی تعداد لوگوں نے روایت کی۔ یہ امام تھے، حجت تھے، اس (فن حدیث) میں بصیرت والے تھے۔"

ایک مقام پر فرمایا:

"وكان ثقة ثبتاً عارفاً ممتعاً باحدى عينيه." (١٠٨)

(١٠٧) سير أعلام النبلاء ج:١٤، ص:١٦٤، ط: مؤسسة الرسالة.

(١٠٨) تاريخ الاسلام للذهبيؒ، ج:٧، ص:٣٦، الطبقة الحادية والثلاثون، رقم الترجمة منها ٣٧، ط: دار الغرب الاسلامي–بيروت۔

"یہ ثقہ تھے، ثبت (متقن) تھے، (فنِ حدیث) کے شناور تھے اور اپنی ایک آنکھ سے خوب فائدہ اٹھانے والے تھے (جب کہ دوسری آنکھ خراب تھی)۔"

احمد بن عبدالرحمٰن الحرانی:

ان کے بارے میں خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:

"احمدبن عبدالرحمن بن المفضل بن سيار أبوبكر مولى بني أمية ويعرف بالكزبراني من أهل حران، قدم بغدادوحدث بها... وماعلمت من حاله الاخيراً." (۱۰۹)

"احمد بن عبدالرحمٰن بن مفضل بن سیار، ابوبکر (کنیت ہے)، بنوامیہ کے آزاد کردہ ہیں، کزبرانی سے مشہور ہیں، حران کے رہنے والے تھے۔ بغداد آئے وہاں حدیثیں بیان کیں (آگے فرمایا) مجھے ان کے بارے میں اچھائی کے سوا کچھ معلوم نہیں۔"

حسن بن قتیبہ کی سند سے یہ تین روایات ایسی ہیں کہ مستلم بن سعید سے لے کر اوپر کی پوری سند ابتداءِ مضمون میں مذکور تین اسانیدِ صحیحہ کی ہے اور ان تین روایات میں مستلم سے روایت کرنے والے حسن بن قتیبہ ہیں اور شروع کی تین روایات میں یحیی بن ابی بکیر ہیں تو مستلم سے روایت کرنے والے ان کے یہ دو شاگرد ہیں اور حسن بن قتیبہ کی ان تین اسانید کے بھی سارے رجال ثقہ ہیں، صرف حسن میں خطائی الحدیث اور مخالفتِ ثقات کی

(۱۰۹) تاریخ بغداد للخطیبؒ ج:۵، ص:۴۰۲، رقم الترجمة:۲۲۳۷، تاریخ الذهبي ج:۶، ص:۲۷۴، طبقة:۲۷۔

بات ہے، جس کے عدم کے ثبوت کی صورت میں یہ بھی ثقہ ثابت ہوں گے، چنانچہ ابن حبان نے خطا کی کمزوری اور مخالفتِ ثقات کا مسئلہ اٹھانے کے باوجود ان کو اپنی ضعیف راویوں کے بارے میں کتاب "المجروحين" میں نہیں (كماهو ظاهر من النسخة المطبوعة) بلکہ ثقہ لوگوں کے حالات پر مشتمل اپنی دوسری تصنیف "كتاب الثقات" میں ذکر کیا کہ موافقتِ ثقات اور متابعتِ ہم سبق کی صورت میں یہ ثقہ ہی شمار ہوں گے تو بطورِ مشروط ثقہ ان کو ثقات میں ذکر کیا۔

اور زیرِ بحث حدیث میں یحیی بن ابی بکیر کی ابویعلی، ابونعیم اور حافظ عبدالغنی بن سعید کی اسانید صحیحہ سے ثابت روایات سے ثابت ہوگیا کہ مستلم بن سعید سے حسن بن قتیبہ نے یہ روایت بالکل صحیح یاد رکھی، ان کے ہم سبق اور مستلم کے دوسرے ثقہ شاگرد یحیی بن ابی بکیر نے ان کی روایت کی موافقت کر کے تصدیق کر دی کہ حسن بن قتیبہ نے یہ حدیث مستلم سے روایت کرنے میں کوئی خطا نہیں کی، نہ ثقات کی مخالفت کی، بلکہ اس روایت کو نقل کرنے میں ثقات نے ان کی موافقت اور انہوں نے ثقات کی موافقت کی، اس لیے حسن بن قتیبہ کی یہ تینوں روایات صحیح لغیرہ ہیں۔

البتہ بحث کے شروع میں مذکور یحیی بن ابی بکیر کی تینوں روایات صحیح لذاتہ ولعینہ ہیں کہ ان کی اسانید میں کوئی متکلم فیہ راوی موجود نہیں، بلکہ سارے ہی رجال عالی رتبہ ثقہ ہیں۔

۴:......امام بزارؒ کی روایت

(۴) امام بزارؒ کی روایت:

"حدثنا محمد بن عبدالرحمن بن المفضل الحراني حدثنا الحسن بن قتيبة المدائني حدثنا حماد بن سلمة عن عبدالعزيز عن أنسؓ قال :قال رسول الله ﷺ : الأنبياء أحياء يصلون في قبورهم."(۱۱۰)

"محمد بن عبدالرحمٰن بن مفضل حرانی نے ہمیں حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حسن بن قتیبہ مدائنی نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمہ نے حدیث سنائی عبدالعزیز سے انہوں نے انسؓ سے کہ (انسؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔"

رجالِ سند:

اس سند میں پہلے راوی کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن المفضل حرانی آیا ہے، جو کہ وہم ہے، یہ احمد بن عبدالرحمٰن بن مفضل حرانی ہیں جیسا کہ تمام رازی کی روایت میں گزرا کہ حسن بن قتیبہ سے روایت کرنے والے یہی احمد بن عبدالرحمٰن حرانی راوی ہیں، نہ کہ محمد بن عبدالرحمٰن حرانی اور یہاں بھی یہ حسن بن قتیبہ سے روایت کرر ہے ہیں، پھر والد اور دادا کے

(۱۱۰) مسند البزار ج:۱۳، ص:۶۲، رقم الحديث: ۶۳۹۱، وذكره نورالدين علي الهيثمي في كشف الأستار عن زوائد البزار ج:۳، ص:۱۰۰، ط:مؤسسة الرسالة- بيروت. وكذا ابن حجرؒ في المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج:۱۴، ص:۲۲۶، رقم الحديث ۳۴۴۶، ط:دار العاصمة -السعودية۔

نام، نیز نسبت (حرانی) سے بھی واضح ہے کہ یہ محمد بن عبدالرحمٰن نہیں، بلکہ احمد بن عبدالرحمٰن ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے بھی "المطالب العاليه" میں احمد بن عبدالرحمٰن کے الفاظ کے ساتھ یہ سند ذکر کی ہے، سوان کے بارے میں "وماعلمت من حاله الاخيراً" کہہ کر خطیبؒ ان کی توثیق کر چکے، اگر صرف ان کے حالات ہی ذکر ہوتے اور تعدیل کے یہ الفاظ مذکور نہ ہوتے تب بھی ثبوتِ جرح نہ ہونے کی بناء پر یہ ثقہ ہی قرار پاتے۔ اب جب کہ مذکورہ الفاظ ذکر کیے گئے تو ان کا ثقہ ہونا بے غبار اور صراحت کے ساتھ ثابت ہوگیا۔

الحسن بن قتیبہ:

ان کے حالات گزر چکے ہیں کہ یہ نفیِ خطأ وموافقتِ ثقات کی شرط سے مشروط ثقہ ہیں۔

حماد بن سلمہ:

یہ صحیحین سمیت صحاح ستہ کی تمام کتابوں کے راوی ہیں، اس لیے ثقہ ہونا ظاہر ہے، امام شمس الدین ذہبیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"حماد بن سلمة بن دينار الامام القدوة شيخ الاسلام أبو سلمة البصري."(۱۱۱)

"حماد بن سلمہ بن دینار، امام ہیں، مقتدا ہیں، شیخ الاسلام ہیں۔ ابوسلمہ (کنیت ہے) بصرہ کے رہنے والے ہیں۔"

عبدالعزیز:

تہذیب الکمال میں حماد بن سلمہ کے شیوخ کی فہرست میں ان کا نام عبدالعزیز

(۱۱۱) سير أعلام النبلاء للامام شمس الدين الذهبيؒ، ج:۷، ص: ۴۴۴، ط: مؤسسة الرسالة – بيروت۔

بن صہیب آیا ہے، سوان کے بارے میں امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"عبدالعزيز بن صهيب البناني مولاهم البصري الأعمى. عن أنس... وعنه .. الحمادان... وثقه أحمد بن حنبل."(۱۱۲)

"عبدالعزیز بن صہیب بنانی، ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے نابینا تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔۔۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

سو اس سند کے بھی سارے راوی ثقہ ہیں، البتہ حماد بن سلمہ سے روایت کرنے میں حسن بن قتیبہ مدائنی متفرد ہیں۔ حماد کے کسی دوسرے شاگرد سے یہ روایت نہیں ملتی، مگر اسانیدِ صحیحہ سے یہ حدیث سنداً ومتناً ثابت ہونے کے بعد حسن بن قتیبہ سے خطا یا مخالفتِ ثقات کا احتمال ختم ہوجاتا ہے، اس لیے یہ روایت بھی صحیح لغیرہ ہے۔

امام بیہقیؒ کا ایک وہم جس کا اتباع تاہنوز جاری ہے:

واضح رہے کہ یہ وہ روایت ہے جس کے بارے میں امام بزارؒ نے فرمایا کہ یہ غرائب حسن قتیبہ میں سے ہے اور اس کی کوئی متابع سند بھی نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر بزارؒ نے یہ روایت ذکر کر کے فرمایا:

"وهذا الحديث لانعلم أحداً تابع الحسن بن قتيبة على روايته عن حماد وانما يروي عن أنسؓ من حديث ثابت وغيره أن النبي ﷺ قال: رأيت موسى يصلي في

(۱۱۲) تاريخ الاسلام للذهبيؒ، ج:۳، ص: ۴۵۵، الطبقة الثالثة عشرة، رقم الترجمة منها ۲۰۹، ط: دار الغرب الاسلامي – بيروت۔

قبره."(۱۱۳)

"اس حدیث کے بارے میں ہمیں کوئی ایک شخص بھی معلوم نہیں کہ جس نے حماد سے یہ روایت نقل کرنے میں حسن بن قتیبہ کی متابعت کی ہو بلکہ حماد نے تو حضرت انسؓ سے بواسطۂ ثابتؒ وغیرہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

اور واقعی حماد سے یہ روایت نقل کرنے میں حسن بن قتیبہ مدائنی تنہا ہیں، جیسا کہ ابھی گزرا، اس لیے امام بزارؒ کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ حدیث حماد سے روایت کرنے میں حسن بن قتیبہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، اس لیے یہ غرائبِ حسن میں سے ہے۔

امام بیہقیؒ نے بظاہر محض مغالطے میں مستلم سے یہ روایت نقل کرنے میں حسن بن قتیبہ کو متفرد قرار دے دیا، چنانچہ سابق میں مذکور حسن بن قتیبہ کی مستلم بن سعید سے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"هذا يعد في أفراد الحسن بن قتيبة."(۱۱۴)

"اس (روایت) کو حسن بن قتیبہ مدائنی کے افراد (غرائب) میں شمار کیا جاتا ہے۔"

امام تاج الدین ابن السبکیؒ متوفی ۷۷۱ھ نے ذرا وضاحت کر کے بظاہر امام بیہقیؒ کے قولِ مذکور کے پیشِ نظر اس دعوائے غرابت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"ولقد روى الحسن بن قتيبة المدائني وعد ذلك في

(۱۱۳) مسند البزار ج:۱۳، ص:۶۲، رقم الحديث: ۶۳۹۱.

(۱۱۴) جزء حيات الأنبياء في قبورهم للبيهقيؒ ص:۳، رقم الحديث: ۱۔

أفراده عن المستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الأسود عن ثابت البناني عن أنسؓ."(۱۱۵)

"اور حسن بن قتیبہ مدائنی نے حدیث روایت کی ہے جو کہ ان کے غرائب میں شمار کی گئی ہے مستلم بن سعید ثقفی سے، انہوں نے حجاج بن اسود سے، انہوں نے ثابت بنانی سے اور انہوں نے انسؓ سے" (آگے زیرِ بحث حدیث ذکر کی)۔

امام بیہقیؒ اور علامہ سبکیؒ نے مستلم سے حسن کی روایتِ حدیثِ مذکور کو غرائب میں شمار کیے جانے کا ذکر صیغۂ مجہول کے ساتھ کیا ہے جب کہ اس کا قائل اب تک کوئی نہ ملا، جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ دراصل امام بزارؒ نے حسن بن قتیبہ کی حماد سے اس حدیث کی روایت کو جو غریب کہا ہے امام بیہقیؒ نے اپنے حافظے سے اسی کو حسن بن قتیبہ کی (حماد کی روایت کی بجائے) مستلم سے بیان کردہ روایت کے ساتھ لگا دیا ہے اور اس مغالطے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حسن بن قتیبہ کی سند پر امام بزارؒ کا کلام مذکور امام بیہقیؒ کو یاد ہونے کے باوجود یہ آپ کے ذہن میں نہیں رہا تھا کہ یہ حماد سے ابن قتیبہ کی روایت کے بارے میں ہے، مستلم سے بیان کردہ روایت کے بارے میں نہیں اور علامہ سبکیؒ وغیرہ بعد میں امام بیہقیؒ ہی کے اس مغالطے پر مبنی کلام کو لے کر یہ کہنے لگے کہ ہاں مستلم سے روایت کرنے میں ابن قتیبہ متفرد ہیں۔

دراصل ابن قتیبہ کی اسانید سے زیرِ بحث حدیث کو روایت کرنے والے محدثین متقدمین میں سے تحقیقِ عللِ احادیث میں منفرد مقام کے حامل امام ابوبکر بزارؒ نے ہی ابن قتیبہ کی زیرِ بحث حدیث کی اسانید پر کلام کیا ہے اور فیصلہ کن کلام کیا ہے جو کہ تتبعِ اسانید سے

(۱۱۵) طبقات الشافعية الكبرىٰ ج:۳، ص:۴۱۱۔

حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ حماد سے ابن قتیبہ کی روایت کے بارے میں ابھی امام بزارؒ کا تبصرہ گزرا کہ ابن قتیبہ حماد سے یہ روایت کرنے میں منفرد ہیں اور واقعی دنیائے روایات میں اس کی متابع سند نہیں ملتی جب کہ مستلم سے ابن قتیبہ کی روایت (جو کہ رزق اللہ بن موسیٰ کی سند سے بزار کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے) کے بارے میں امام بزارؒ کی تحقیق جو کہ حرفِ اخیر ہے وہ یہ ہے:

"وهذا الحديث لانعلمه رواه عن ثابت عن أنسؓ الا الحجاج ولا عن الحجاج الا المستلم بن سعيد ولانعلم رواه عن ثابت الا هذا الحديث." (۱۱۶)

"ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث ثابت کے واسطے سے انسؓ سے کسی نے روایت نہیں کی سوائے حجاج کے اور نہ حجاج سے (کسی نے روایت کی) سوائے مستلم بن سعید کے، اور ہمارے علم کے مطابق حجاج نے ثابت سے کوئی حدیث روایت نہیں کی سوائے اس حدیث کے۔"

اس عبارت میں امام بزارؒ مستلم بن سعید کو مدارِ تفرد کہہ رہے ہیں کہ حجاج الاسود سے اس کو روایت کرنے والے ان کے ایک ہی شاگرد ہیں اور وہ مستلم بن سعید ہیں، یہیں سے تفرد شروع ہو کر اوپر کی طرف گیا ہے۔ البتہ مستلم سے روایت کرنے والے چونکہ ابن قتیبہ بھی ہیں اور یحییٰ ابن ابی بکیر بھی، اس لیے اس میں تفرد نہیں تھا تو امام بزارؒ نے بھی سلسلۂ تفرد کو مستلم پر ختم قرار دیا۔ عللِ حدیث کے نامور امام حافظ دارقطنیؒ کی عبارت پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ مستلم کے غرائب میں سے ہے، ابن قتیبہ کے

(۱۱۶) مسند البزار، ج:۱۳، ص:۲۹۹، تحت رقم الحديث:۶۸۸۸، و كذا نقله ابن حجرؒ في مطالب العالية ج:۴، ص:۲۲۶، والهيثمي في كشف الأستار ج:۳، ص:۱۰۱۔

نہیں۔ دوبارہ ملاحظہ فرمائیے:

"الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. الحديث تفرد به المستلم بن سعيد عن الحجاج الأسود عن ثابت." (۱۱۷)

"حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث بواسطۂ حجاج، ثابت سے روایت کرنے میں مستلم بن سعید متفرد ہیں۔"

ائمہ حدیث و ماہرینِ علل کی ان متفقہ واضح تصریحات کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ محدثین میں سے کوئی مستلم سے ابن قتیبہ کی روایت کو تفردِ ابن قتیبہ کہے؟ جب کہ حفاظ کبار بیک زبان صرف حماد سے ابن قتیبہ کی روایت کو تفردِ ابن قتیبہ کہہ رہے ہیں۔ (۱۱۸)

(۱۱۷) أطراف الغرائب و أفراد ج:۲، ص:۳۲-۳۱۔

(۱۱۸) شیخ البانی صاحب کو نہ امام بزارؒ کا کلام سمجھ میں آیا نہ بیہقیؒ کا۔ چنانچہ دونوں کے کلام میں تفرد ابن قتیبہ کا ذکر ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"وقال البيهقي تبعاً للبزار: يعد في أفراد الحسن بن قتيبة." (سلسلة الأحاديث الصحيحة ج:۲، ص:۱۸۷)

"امام بیہقی نے بزارؒ کی اتباع (اور موافقت) کرتے ہوئے کہا: یہ روایت (ابن قتیبہ کی مستلم سے) حسن بن قتیبہ کی 'افراد' میں شمار ہوتی ہے۔"

جب کہ امام بزارؒ تو اس کو مستلم کی افراد میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ گزرا۔ اور البانی صاحب نے بزار کے حوالے میں '۲۵۶' کے ہندسے لکھ دیئے جو بظاہر قلمی نسخے کا حوالہ ہے اور یہ ائمہ پر غلط سلط ٹھونسنے اور اس پر پردہ ڈالنے کا بہترین (یا بدترین کہیے) ذریعہ ہے۔ مسند بزارؒ چھپی ہوئی ہے، زوائد بزار اور زوائد مسانید کی کتابوں میں امام بزارؒ کا قول محفوظ ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا بیہقیؒ کا قول یقیناً مغالطے پر مبنی ہے، البتہ امام بزارؒ کا قول محققانہ اور مطابق واقع حقیقت ہے اور دونوں کی باتوں میں واضح فرق ہے۔ دونوں نے ایک ہی بات نہیں کہی کہ اتباع یا موافقت متحقق ہو سکے۔ (جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ) شیخ البانی صاحب تو یہاں پر بزارؒ کی واضح عبارت بھی سمجھ نہ سکے اور دعوی یہ کرنے لگے کہ وہ ایسا علم پیش کرتے ہیں جو بیہقیؒ کے پاس بھی نہ تھا۔ سنیے:

"وقد كنت برهة من الدهر أرى أن هذاالحديث ضعيف لظني أنه ممانفرد به ابن قتيبة كماقال البيهقيؒ ولم أكن قد وقفت عليه في مسند أبي يعلى وأخبار أصبهان فلماوقفت على اسناده فيهما تبين لي أنه اسناد قوي وأن التفرد المذكور غيرصحيح". (سلسلة الأحاديث الصحيحة ج:٢، ص:١٩٠)

''ایک عرصے تک میرا یہ خیال تھا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ میرا گمان یہ تھا کہ ابن قتیبہ اس کو روایت کرنے میں متفرد ہیں جیسا کہ امام بیہقیؒ نے فرمایا اور اس وقت تک مسند ابی یعلی اور اخبار اصبہان میں مجھے یہ روایت نہیں ملی تھی۔ جب ان دونوں کتابوں میں اس کی سند ملی تو میرے سامنے واضح ہوا کہ اس کی سند قوی ہے اور جس تفرد کا ذکر کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے۔''

راقم الحروف یہاں امام بیہقیؒ کا محولہ بالا کلام نقل کر دیتا ہے، تاکہ شیخ البانی کے کلامِ مذکور کے بین السطور میں پنہاں سچ اور جھوٹ کا تعین قارئین خود کر لیں۔ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

"هذايعد في أفراد الحسن بن قتيبةالمدائني وقد روى عن يحيى بن أبي بكير عن المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت عن أنس بن مالكؓ وهو فيما أخبرناالثقة من أهل العلم قال: أنباأبوعمروبن حمدان قال: أنباأبويعلى الموصلي الخ". (جزء حياة الأنبياء في قبورهم للبيهقيؒ ص:٣، رقم الحديث:٢،١)

''اس روایت کو غرائبِ حسن بن قتیبہ مدائنی میں شمار کیا جاتا ہے، مگر (حقیقت یہ ہے کہ) **يحيى بن ابى بكير عن المستلم بن سعيد عن حجاج عن ثابت عن انس بن مالكؓ** کی سند سے بھی اس کو روایت کیا گیا ہے اور وہ (سند) یہ ہے کہ ہمیں ثقہ اہل علم نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ابوعمرو بن حمدان نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں کہ ابو یعلی موصلی نے حدیث بیان کی (آگے ابو یعلی کی سند سے یہ روایت نقل کی)۔'' (جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ) اس عبارت میں امام بیہقیؒ نے مستلم سے ابن قتیبہ کی روایت کو تفردِ ابن قتیبہ میں شمار کیے جانے کا ذکر کرنے کے بعد ابو یعلیؒ کی سند سے یحیی بن ابو بکیر کی روایت ذکر کر کے روایتِ ابن قتیبہ کی متابعت ثابت کی۔ تو یہ امام بیہقیؒ کا دعوائے تفرد ہوا یا دفعِ تفرد سے پہلے نقلِ تفرد؟ امام بیہقیؒ نے اس میں ابو یعلی کی سند سے یحیی بن ابی بکیر کی متابعت ثابت کر کے تفردِ ابن قتیبہ کو دور کیا یا البانی صاحب کے لیے یہ کام چھوڑ گئے؟ جب کہ بیہقیؒ کا کلام مسلسل اور ذکرِ تفرد و بیانِ متابعت باہم متصل ہیں، پھر بھی البانی صاحب کا دعوی کہ بیہقیؒ نے تفرد ذکر کیا، متابع کا علم ان کو نہیں تھا۔ خود البانی صاحب نے بھی امام بیہقیؒ کی طرف سے روایت ابو یعلی کی تخریج کا ذکر کیا۔ (الصحيحة ج:٢، ص:١٨٩)

مگر رسالہ حیاۃ الانبیاء کے حوالے کے بغیر۔ اور تفرد والی روایت میں حیاۃ الانبیاء کا حوالہ دیا، جو متابع کا علم صرف خود کو ہونے کا زعم ثابت کرنے کا بظاہر طریقۂ کار ہے۔ پھر جناب البانی صاحب نے جو ابن قتیبہ کی روایت کو اصل بنا کر اس کی متابع روایت ابو یعلی اور روایتِ ابو یعلی کی متابع روایت اخبار اصبہان کی کھچڑی پکائی ہے، وہ فن حدیث سے جناب کی دوری کا مظہر ہے۔ بغیر کسی متابع کے سہارے ہی ازرق کی روایات کو امام ہیثمیؒ، علامہ بوصیریؒ اور امام ابن حبانؒ وغیرہ اجلۂ محدثین صحیح کہہ چکے ہیں اور زیرِ بحث حدیث کے بارے میں ابو یعلی کی سند کو مطلقاً صحیح قرار دینے والے محدثین محققین واکابر علماً کی فہرست اس مضمون کے شروع میں حوالوں کے ساتھ ذکر کی جا چکی ہے۔ تو البانی صاحب نے زیرِ نظر روایت کی تصحیح بھی کی تو کیسی؟ ع

پھر بھی دعوی ہے کہ اصلاحِ دو عالم ہم سے ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مشاہدۂ احوالِ برزخ'' کے سفر ''سفرِ معراج'' میں انبیاء علیہم السلام نماز پڑھتے نظر آئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مشاہدۂ احوال برزخ'' کے سفر ''سفرِ معراج'' میں انبیاء علیہم السلام نماز پڑھتے نظر آئے

مسند ابویعلی وغیرہ میں مذکور سابقہ حدیث میں قبروں میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے جو نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس کی اصل صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہ میں اس طرح ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے:

''عن أنس ؓ أن رسول الله ﷺ قال: أتيت وفي روايةهداب مررت على موسىٰ ليلة أسري بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره.''(۱۱۹)

''حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، آپ (موسیٰ علیہ السلام) کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔''

یہ حدیث مسلم شریف کے علاوہ سنن نسائی برقم ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴،

(۱۱۹) الصحیح لمسلم رقم الحدیث ۲۳۷۵ (في مجلد واحد مع شرح النووي) ص: ۱۴۵۲، ط: بیت الأفکار الدولیة– الریاض۔

۱۶۳۵،التوحید لابن خزیمة، ص:۳۷۶-۳۷۵، صحیح ابن حبان برقم۴۹،۵۰، المصنف لابن ابی شیبة برقم۳۷۷۳۰، المصنف لعبدالرزاق برقم۶۷۲۷، مسند ابی یعلی برقم۳۳۲۵،۴۰۸۴،۴۰۸۵،مسند احمد برقم۱۲۲۱۰،۱۲۵۰۴،۱۳۵۹۳، مسند عبد بن حمید برقم۱۲۰۵، شرح السنة للبغويؒ برقم۳۷۶۰، دلائل النبوة للبیهقیؒ ج:۲،ص:۳۵۸،معانی الاخبار للکلاباذیؒ ص:۲۲۱، کتاب الزهد للامام احمدؒ ص:۷۴،حلیة الاولیاء ج:۶،ص:۲۵۳، مسند البزار برقم۶۹۹۰، شرح مشکل الآثار برقم۵۰۱۳،فوائد ابن ماسی برقم۱۴،معجم ابن لاعرابی برقم ۲۲۰۲میں حضرت انسؓ سے جب کہ سنن نسائی برقم۱۶۳۶،۱۶۳۷، مسند احمد برقم۲۰۵۹،۲۳۰۶۲،۲۳۰۹۴،مسند ابویعلی برقم۴۰۶۷ میں بواسطۂ انسؓ بعض صحابہؓ سے (زبانِ نبوت سے بالواسطہ وبلاواسطہ دونوں طرح سننا عقلاً صحابیؓ کے لیے ممکن اور نقلاً ثابت ہے.(البحر المحیط الثجاج،شرح سنن النسائی ج:۱۷،ص:۳۵۷)اورمسند بزار برقم۷۶۱۶،تاریخ مدینة دمشق لابن عساکر ج:۶۱،ص:۱۸۴،اخبار اصبهان ،تحت رقم الترجمة ۱۸۰۲میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور المعجم الکبیر للطبرانی برقم۱۱۲۰۷، اخبار اصبهان ، تحت رقم الترجمة : ۱۲۴۱میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور المعجم الأوسط للطبرانی برقم۷۸۰۶ بروایتِ حضرت ابوسعید خدریؓ مروی ہے۔

امام ابن قیمؒ اس حدیث سے انبیاء علیہم السلام کی (قبروں میں) جسمانی حیات اوراس (حیاتِ جسمانی) کی بناپر اپنی قبروں میں نماز پڑھنے اور سلام کرنے والوں کے سلام کاجواب دینے پراستدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقد صح عنه-ﷺ-أنه رأی موسیٰ -علیه السلام-

قائماًیصلي في قبره لیلة الاسراء ورآه في السماء السادسة أوالسابعة فالروح کانت هناک ولهااتصال بالبدن واشراف علیه وتعلق به بحیث یصلي في قبره ویرد سلام من سلم علیه."(۱۲۰)

"آپ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوان کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھاہے اوران کو چھٹے یاساتویں آسمان میں بھی دیکھاہے تو روح وہیں تھی اور اس کا اتصال جسم سے قائم تھا اور جسم پر اس کا اثر اور جسم سے اس کا تعلق موجود تھا اتنا (قوی تعلق) کہ آپ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔"

یعنی قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم کو اتصال بالروح کے ساتھ حیات حاصل ہے اوراس جسمانی حیات کی وجہ سے آپ ﷺ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں،جس کا مشاہدہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی مبارک رات اپنی آنکھوں سے کیا۔

امام ابوبکر کلاباذیؒ (محمد بن ابی اسحاق) متوفی ۳۸۴ھ قبر دارالتکلیف نہ ہونے کے باوجود نماز کا عمل اس میں پائے جانے کی حقانیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یجوز أن یکون قوله:"یصلي" علی حقیقة الصلوٰة التي هي القیام والرکوع والسجود لأنه بعد في الدنیاوالدنیادار تعبد لأن السماوات والأرض من الدنیا وانماترتفع العبادات في الجنة."(۱۲۱)

---

(۱۲۰) الروح ص:۵۷۔

(۱۲۱)معاني الأخبار للکلاباذيؒ،ص:۲۲۳، ط:دارالکتب العلمیة۔

''اس حدیث میں ''یصلی'' حقیقتاً نماز پڑھنے پر محمول ہونا ممکن ہے کہ جس میں قیام، رکوع اور سجدے ہوں اس لیے کہ آپ ﷺ ابھی دنیا ہی میں ہیں اور دنیا عبادات کا گھر ہے، کیوں کہ آسمان وزمین دنیا کا حصہ ہیں۔ عبادات تو جنت میں جانے کے بعد ختم ہوں گی۔''

مزید لکھتے ہیں:

''وقبره في الدنيا كما أن أهل القبور في الدنيامن جهة كونهم بأجسادهم فيمابيننا.''(۱۲۲)

''آپ ﷺ کی قبر دنیا میں ہے جیسے تمام اہلِ قبور اس لحاظ سے دنیا میں ہیں کہ ان کے اجسام ہمارے درمیان موجود ہیں۔''

علامہ صالحی شامیؒ فرماتے ہیں:

''انا نقول: ان المنقطع في الآخرة انما هو التكليف وقد تحصل الأعمال من غير تكليف على سبيل التلذذ بها والخضوع لله -تعالىٰ- ولهذا ورد أنهم يسجدون ويدعون ويقرؤون وانظر الى سجود النبي -ﷺ- وقت الشفاعة!، أليس ذلك عبادة عملاً؟''(۱۲۳)

''ہم (اہلِ سنت والجماعت) کہتے ہیں کہ آخرت میں جو عبادات ختم ہو جاتی ہیں وہ بطورِ مکلف ہونے (اور ذمہ داری عائد ہو کر وجوب کے ساتھ عبادات) ہے جب کہ مکلف ہوئے بغیر حصولِ لذتِ عبادت

(۱۲۲) المرجع السابق أيضا۔

(۱۲۳) سبل الهدىٰ والرشاد ج:۳، ص:۱۱۳، ط: دار الكتب العلمية-بيروت۔

واظہارِ عبودیت کے لیے کبھی ایسے اعمال (آخرت میں بھی) ہوتے ہیں اسی وجہ سے (نصوص) میں آیا ہے کہ لوگ (آخرت میں) اللہ کی پاکی بیان کریں گے، دعا کریں گے، قرآن پڑھیں گے، آپ شفاعت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے سجدے میں غور کریں (جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے)، کیا یہ عملی طور پر عبادت نہیں؟!!!''

اور ''يصلي'' اس حدیث میں ''نماز پڑھ رہے تھے'' کے معنی میں ہے اس لیے کہ ''صلوٰۃ'' کی حقیقتِ شرعیہ ہے (بغیر صلہ (علی) استعمال ہونے کی صورت میں جیسا کہ اس حدیث میں ہے) مجاز مراد لینے کا کوئی قرینہ صارفہ اس میں موجود نہیں، نہ ہی ضرورت ہے۔ قبر میں سورۂ ملک کی تلاوت کیے جانے کی تصدیق خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔ (ترمذی) قیامت کے روز قرآن سنانے اور ہر آیت کی تلاوت پر درجہ پڑھنے کی حدیث صحیح ابن حبان، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، سنن ابن ماجه اور مسند احمد میں کئی صحیح اسانید سے مذکور ہے۔ ایسی نصوصِ کثیرہ کے پیشِ نظر محدث ابن رجب حنبلیؒ اور امام سیوطیؒ نے متفقہ طور پر فرمایا:

''قد يكرم الله بعض أهل البرزخ بأعمال صالحة في البرزخ.''(۱۲۴)

''کبھی اللہ تعالیٰ بعض اہلِ برزخ کو برزخ میں نیک اعمال انجام دینے کے اعزاز سے نوازتے ہیں۔''

اور ''برزخ'' مرنے کے بعد سے روزِ حشر تک کا زمانہ ہے جو علی العموم قبر میں آنے والا زمانہ ہوتا ہے، الا یہ کہ قبر نصیب نہ ہو۔ اس لیے فی الجملہ مرنے کے بعد عبادت کرنا

(۱۲۴) أهوال القبور لابن رجبؒ وشرح الصدور للسيوطيؒ۔

ثابت ہے۔اور نماز بھی عبادت ہے اہلِ قبور کے نماز پڑھنے میں کوئی مانع نہیں، بلکہ نص سے ثابت ہونے کے بعد مان لینا ہی تقاضائے ایمان ہے۔

محدث علامہ علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

”ان الأنبياء تكون حياتهم على الوجه الأكمل ... بحفظ أبدانهم الظاهرة بل التلذذ بالصلوٰة والقراءة ونحوهما في قبورهم الطاهرة الى قيام الساعة الآخرة وهذه المسائل كلها ذكرها السيوطي في كتاب شرح الصدور في أحوال القبور باالأخبار الصحيحة والآثار الصريحة.“(۱۲۵)

”انبیاء علیہم السلام کی حیات نہایت کامل قسم کی ہوتی ہے۔۔۔یہاں تک کہ ان کے ظاہری اجسام تک محفوظ ہوتے ہیں، بلکہ نماز، تلاوت وغیرہ سے بھی وہ حضرات تا قیام قیامت اپنی پاکیزہ قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں، یہ سب باتیں امام سیوطی نے اپنی کتاب ’شرح الصدور في احوال القبور‘ میں صحیح وصریح احادیث وآثار کے ساتھ ذکر کی ہیں۔“

نیز حدیث میں قیام کی حالت میں صلوٰۃ کا ذکر آیا ہے جو نماز مراد ہونے پر واضح تر قرینہ ہے اور خود آپ ﷺ نے اہلِ برزخ انبیاء علیہم السلام کی ”صلوٰۃ“ کی امامت جو کرائی وہ تو ناقابل تاویل اور بالاتفاق نماز پر محمول ہے، اس لیے زیرِ بحث حدیث میں تاویل کرنے سے بھی امامتِ انبیاء کی حدیث صحیح ہوتے ہوئے ”قبر میں نماز“ کی نفی نہیں ہوسکتی، پھر تاویل کیوں کی جائے؟ اس لیے نص شرعی میں مذکور ”صلوٰۃ“ سے ”صلوٰۃ

(۱۲۵) مرقاۃ المفاتیح، ج:۳، ص:۲۳۸۔

شرعیہ“(نماز) مراد ہونا ہی تقاضائے دین ودانش واضح ہے اور اسی کے پیشِ نظر شارحینِ حدیث اس حدیث سے حیاۃ الانبیاء کا اثبات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”قال الشيخ بدر الدين الصاحب في مؤلف له في حياة الأنبياء –عليهم السلام–: هذا صريح في اثبات الحياة لموسىٰ –عليه السلام– في قبره فانه وصف بالصلوٰة وانه قائم ومثل ذلک لايوصف به الروح ونمايوصف به الجسد وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا فانه لو كان من أوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه. وقال الشيخ تقي الدين السبكيؒ في هذا الحديث : ان الصلوٰة تستدعي جسداً حياً.“(۱۲۶)

”شیخ بدر الدین الصاحب نے اپنی حیات الانبیاء پر لکھی گئی ایک کتاب میں فرمایا: یہ (حدیث) قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے اثبات پر صریح (نص) ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے آپ (موسیٰ علیہ السلام) کے لیے وصف ”صلوٰۃ“ ذکر کیا اور یہ بھی کہ وہ کھڑے تھے اور ان اوصاف سے روح متصف نہیں ہوتی، ہاں جسم (ان اوصاف سے متصف) ہوتا ہے۔اور اس (صلوٰۃ موسوی) کو قبر کے ساتھ مخصوص کرنے میں اس بات (حیاتِ جسمانی) کی دلیل موجود ہے، کیوں کہ یہ روح کے اعمال میں سے ہونے کی صورت میں اس (قبر کے ساتھ)

(۱۲۶) ذخيرة العقبىٰ في شرح المجتبىٰ، ج:۱۷، ص:۳۵۳، و زهر الربى شرح المجتبىٰ (وهو سنن النسائي الصغرىٰ) ج:۳، ص:۲۱۳۔

تخصیص کی ضرورت نہیں تھی اور شیخ تقی الدین السبکیؒ نے اس حدیث (کی شرح) میں فرمایا کہ نماز پڑھنا زندہ جسم کو مستلزم ہے۔"

سو اس حدیث کی رو سے انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات کا جسمانی ہونا نیز قبروں میں ان کی نماز کا جسم کے اشتراک و احساس کے ساتھ ہونا ثابت ہوتا ہے جس کو شبِ معراج میں آپ ﷺ نے حقیقت کے رنگ میں دیکھا۔ اس لحاظ سے مسند ابویعلی وغیرہ کی سابقہ روایت میں قولی اور اعتقادی طور پر جو بتایا گیا تھا، زیرِ نظر صحیح حدیث میں آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ آپ نے سیرِ برزخ کے اس سفرِ معراج میں برگزیدہ نبی حضرت موسی علیہ السلام کا برزخی حال عین الیقین کے درجے میں بعینہٖ یہی دیکھا ہے کہ آپ جسمانی حیات کے ساتھ جسمانی طور پر قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں ہے:

"عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ... قد رأيتني في جماعة من الأنبياء فاذا موسىٰ قائم يصلي فاذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شنوءة واذا عيسىٰ بن مريم -عليه السلام- قائم يصلي أقرب الناس به شبهاً عروة بن مسعود الثقفي واذا ابراهيم -عليه السلام- قائم يصلي أشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلوٰة فأممتهم فلما فرغت من الصلوٰة قال قائل: يا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبدأني بالسلام." (۱۲۷)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

(۱۲۷) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث ۱۷۲، ج:۳، ص:۲۱۸ (مع البحر المحیط)، السنن الکبریٰ للنسائي برقم: ۱۱۴۸۰، ۱۱۲۸۴، ج:۶، ص:۳۷۷، (جاری ہے)

نے فرمایا: ۔۔۔ میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں پایا، دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، وہ درمیانے اور ٹھوس جسم والے آدمی تھے جیسے قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہوں۔ اس دوران حضرت عیسیٰ بن مریم بھی کھڑے ہو کے نماز پڑھتے نظر آئے، لوگوں میں ان کے قریب تر ہم شکل حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے نظر آئے۔ لوگوں میں ان میں سب سے زیادہ مشابہت کے حامل تمہارے نبی ہیں مراد خود آپ ﷺ کی ذات ہے۔ پھر نماز کا وقت ہوا تو میں نے سب (انبیاء) کی امامت کی۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ داروغۂ جہنم "مالک" ہیں، ان کو سلام کریں، میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے سلام کرنے میں پہل کر لی۔"

آپ ﷺ کی اس سیرِ عالمِ برزخ میں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں حالتِ قیام میں نماز میں دکھایا گیا کہ یہ (قبرِ موسیٰ علیہ السلام) مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے درمیان میں ہے، پھر سب انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی سیر کی بجائے سب کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا کہ ایک ساتھ سب کا حالِ برزخ واضح ہو جائے۔

شارحِ مسلم علامہ اُبّی وغیرہ شراحِ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ آپ

(بقیہ حاشیہ) مسند أبي عوانة ج:۱، ص:۱۳۰ – ۱۳۱ برقم: ۳۵۰، دلائل النبوة للبیهقي ج:۲، ص:۳۵۸، حیاة الأنبیاء في قبورهم ص:۷، مشکل الآثار رقم الحدیث ۵۰۱۱، ج:۱۲، ص:۵۴۰، المستخرج علی صحیح مسلم لأبي نعیم برقم ۴۳۳، الایمان لابن مندة برقم ۷۴۰۔

ﷺ نے سب انبیاء علیہم السلام کو چشم بیداری میں دیکھا ہے اور صلوٰۃ معہودہ وشرعیہ (معروف شکل کی نماز) میں دیکھا ہے۔(۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کے اس سفرِ معراج میں تمام انبیاء علیہم السلام کی رؤیت ان حضرات کی جسمانی حیات کے ساتھ ہونے پر علامہ عبدالغنی مقدسیؒ نے جو دلائل دیے ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) معراج جسم مع الروح کے ہوئی تھی جیسا کہ اہلِ حق واہلِ سنت کا عقیدہ ہے اور بیداری میں ہوئی تھی جیسا کہ قرآن اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم بیداری میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اور کھلی آنکھوں سے جسمانی نماز ہی نظر آسکتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے قبر میں دیکھا جو کہ حیاتِ جسمانی ونمازِ جسمانی کی دلیل ہے کیوں کہ قبر میں نماز پڑھنا جسم کے اوصاف میں سے ہے، روح کے اوصاف میں سے نہیں، کیونکہ قبر میں جسم ہی مدفون ہے۔

(۳) سفرِ معراج میں نظر آنے والے انبیاء علیہم السلام کے جو اوصاف اور حلیے آپ ﷺ نے بیان کیے یہ بھی جسم کے اوصاف ہیں، روح کے نہیں۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو نمازوں کی تعداد میں تخفیف کے سلسلے میں باربار آپ ﷺ کا مکالمہ ہوا یہ مکالمہ آپ ﷺ کے جسد مع الروح کا روح موسوی سے ہونا محال ہے، یقیناً یہ مکالمہ حضرت موسی علیہ السلام کے جسد مع الروح سے ہوا تھا۔

---

(۱۲۸) شرح الابی علی صحیح مسلم ج:۱، ص:۳۲۵، والبحر المحیط الثجاج، ج:۴، ص:۶۲۳، ط:دارابن الجوزی.

(۵) اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ انبیاء علیہم السلام کو ان کے اجسام میں دیکھیں، ان کا حلیہ اور قد وقامت بیان کریں، ان سے مخاطب ہوں اور وہ حضرات آپ ﷺ سے مخاطب ہوں اور ان سب کے بعد جب آپ ﷺ نماز پڑھائیں تو انبیاء علیہم السلام کی صرف ارواح کو پڑھائیں اور اجسام اس نماز میں شامل نہ ہوں، اس لیے یقیناً آپ ﷺ کی امامت میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے اجساد وارواح کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔

(۶) "صلوٰۃ" شرعی اعتبار سے قیام، قراءت اور رکوع وسجود پر مشتمل عبادت کا نام ہے، اور حدیث کی نص شرعی اصطلاح کے مطابق وارد ہونا بدیہی امر ہے اور صرف ارواح کا قیام وقعود اور رکوع وسجود نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً کہیں ثابت ہے، بنابریں زیرِ نظر حدیث کے لفظ "یصلي" سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ نماز جسمانی تھی۔
علامہ صالحی شامیؒ نے "سبل الهدیٰ والرشاد" میں علامہ مقدسی کے یہ دلائل، علامہ مقدسیؒ کے الفاظ میں اس طرح ذکر کیے ہیں:

"قال الحافظ عبدالغني المقدسي الحنبلي صاحب "العمدة" المشهورة في جواب سؤال مانصه: سألت... عن صلوة نبينا وسيدنا المصطفىٰ... بإخوانه النبيين والمرسلين، هل صلى بأجسادهم أم بأرواحهم؟ فاعلم... أن مذهب أهل الحق القائلين بسنة رسول الله ﷺ أن الاسراء كان برسول الله ﷺ بجسده وروحه يقظةً لامناماً فقد ورد به القرآن العزيز... وتواترت الأخبار الصحيحة بذلك... فاعلم

أن الأنبياء أحياء في قبورهم وقد روى مسلم عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبي -ﷺ- قال : مررت ليلة أسري بي على موسىٰ وهو قائم يصلي في قبره، وهذا من صفة الأجساد لامن صفة الأرواح... وقدوصف -ﷺ- الأنبياء ... كأنه من رجال شنوءة... وهذا من صفة الأجساد لامن صفة الأرواح ... فارجع الى ربک فاسأله التخفيف ففعل ذلک مراراً... ومحال أن يكون هذاالخطاب من روح موسىٰ دون جسده والقائل بذلک مخالف للنقل والعقل ونمنع أن يراهم في أجسادهم ويصفها ويخاطبهم ويخاطبونه ثم يصلي بالأرواح دون الأجساد والصلوٰة... في الشريعة عبارة عن القراء ة مع القيام والركوع والسجود وقيام الأرواح وقعودها وقراء تها غير مدرک ولامعقول ولامنقول."(۱۲۹)

اورمسلم شریف کی شرح "البحرالمحیط الثجاج" میں ہے:

"الحق أنه -ﷺ- صلى بالأنبياء بأجسادهم وأرواحهم ثم لماصعد الى الملأالأعلى وجد من ذكر أنه وجدهم من الأنبياء كذالک روحاًوجسداًفان هذه الأمور الغيبية لاتقاس على الشهادة بل يجب التسليم لها... ولانتكلف لتأويله بمالانحيط به علماً...

(۱۲۹) سبل الهدى والرشاد ج:۱۲، ص:۳۶۱-۳۶۰۔

فماأخبر به النبي -ﷺ- وصح لدينا حق وصدق نؤمن به وان جحده من أهل الضلالة الذين لايقبلون الاماجوزه عقلهم المشحون بالهوىٰ."(۱۳۰)

"حق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے اجساد وارواح (کے مجموعہ) کونماز پڑھائی اورملأ اعلی (آسمانوں) میں جن انبیاء علیہم السلام کودیکھنے کاذکرآپ ﷺ نے فرمایا ہے وہ بھی ارواح واجساد پر مشتمل تھے۔ یہ امور غیبیہ ہیں ان کو مشاہداتی دنیا پر قیاس نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایسی چیزوں کے سامنے سرتسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔۔۔ہم ایسی کسی تاویل کااس میں تکلف نہیں کرتے کہ جس کاعلم کاہم نے احاطہ نہیں کیا۔۔۔اس لیے نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اور ہم تک صحیح سند سے پہنچا ہے وہ حق ہے، صحیح ہے اس پر ہماراایمان ہے، اگرچہ ایسے گمراہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کریں کہ جو خواہشات سے بھری ہوئی عقل کے مانے بغیر کسی بات کوقبول نہیں کرتے۔"

امام ابوالبقاء (محمد بن احمد) مکی حنفی (متوفی ۸۵۴ھ) لکھتے ہیں:

"حديث الاسراء ورؤيته الأنبياء وذكره لكل أحد أنه على صورة كذاوبهيئة كذاومستند الى بيت المعمور وأمثال ذلک دلائل قاطعة على أنهم أحياء بأجسادهم ... وقد ذهب الى ماذكرنا دليله وأوضحناحجته ... الامام البيهقي رحمہ اللہ والأستاذ أبوالقاسم القشيري وأبوحاتم

(۱۳۰) البحرالمحيط الثجاج ج:۴، ص:۵۲۷۔

ابن حبان وأبوطاهرالحسين بن علي الأردستاني وصرح به أبوعمرو بن الصلاح ومحيى الدين النووي والحافظ محيى الدين الطبري وغيرهم."(۱۳۱)

''معراج کی حدیث، آپ ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کو (بچشم بیداری) دیکھنا، (شبِ معراج میں نظر آنے والے) ایک ایک (نبی) کے بارے میں اس طرح فرمانا کہ ان کی شکل وصورت ایسی ہے، ان کی ہیئت ایسی ہے اور بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے وغیرہ یہ سب اس کی قطعی دلیلیں ہیں کہ یہ (انبیاء) اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں، اور ہم نے جس (حیات الانبیاء) کی دلیلیں ذکر کیں اور جس کی حجت واضح کردیا ہے، یہی امام بیہقیؒ، استاد ابوالقاسم قشیری (امام) ابوحاتم بن حبان اور ابوطاہر حسین بن علی اردستانی کا مسلک (وعقیدہ) ہے اور اس کی صراحت امام ابوعمرو بن الصلاح، محیی الدین نووی اور حافظ محیی الدین طبری وغیرہ نے کی ہے۔''

علامہ علی قاریؒ نے بھی بیہقیؒ کے حوالے سے مختصر لفظوں میں یہی فرمایا کہ:

"لاداعي لصرفه عن ظاهره فدل ذلك على حياتهم."(۱۳۲)

(۱۳۱) تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف ص: ۳۳۷-۳۳۶، ط: دار الكتب العلمية-بيروت.

(۱۳۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل ج: ۱، ص: ۵۳.

''اس (حدیث) کو اپنے ظاہر سے پھیرنے (اور تاویل کرنے) کی کوئی بھی ضرورت یہاں پر نہیں ہے اس لیے یہ حدیث ان (انبیاء علیہم السلام) کی (بعد از وفات) حیات کی دلیل ہے۔''

شیخ التفسیر علامہ ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''حضرات انبیائے کرام بلاشبہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں لیکن شبِ معراج میں انبیائے کرام کو نبی کریم ﷺ کی ملاقات کے لیے مسجد اقصیٰ میں جمع کردیا گیا اور پھر جس کو چاہا آسمانوں پر بھی بلالیا ظاہر یہی ہے کہ انبیائے کرام کی یہ ملاقات روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھی۔''(۱۳۳)

مزید لکھتے ہیں:

''ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرات انبیاء ان ہی ابدان دنیویہ کے ساتھ جو ان کی قبروں میں محفوظ اور صحیح وسالم ہیں، آپ کی ملاقات کے لیے جمع ہوئے ہیں اور قدرتِ قدیمہ کے لحاظ سے لقائے روحانی وجسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقلِ مکانی سب برابر ہیں، محض استبعادِ طبعی سے احادیث نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے۔''(۱۳۴)

اسی طرح انبیاء وعلیہم السلام کو آپ ﷺ نے ''صلوٰۃ'' میں جو مشغول دیکھا ہے، وہ بھی لقائے جسمانی کی دلیل ہے، کیونکہ ان حضراتِ انبیاء کی طرح ان کی ''صلوٰۃ'' بھی

(۱۳۳) سیرت المصطفی ج: ۳، ص: ۱۷۰۔

(۱۳۴) سیرت المصطفی ج: ۳، ص: ۱۷۱-۱۷۰۔

"صلوٰۃ" کی حقیقتِ شرعیہ (جسمانی طور پر نماز پڑھنا) پر محمول ہے، جو کہ ظاہر بھی ہے اور آپ ﷺ کی امامت اس کی واضح دلیل ہے، البحر المحیط میں ہے:

"ويؤكد...أنه الصلوٰة المعهودة ماذكر من أنه أم الأنبياء."(١٣٥)

"یہ صلوٰۃ معہودہ (شرعیہ) ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کی (اور انبیاء علیہم السلام نے ان کی اقتداء میں صلوٰۃ ادا کی)۔"

علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ ان احادیث سے حیاۃ الانبیاء کا عقیدہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قلت: الأنبياء أحياء فقد رآهم النبي -ﷺ- حقيقة وقد مر على موسىٰ - عليه الصلاة والسلام- وهو قائم يصلي."(١٣٦)

"میں کہتا ہوں: انبیاء علیہم السلام (بعد از وفات) زندہ ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے انہیں (شبِ معراج میں) حقیقتاً دیکھا ہے اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔"

امام ابن خزیمہؒ لکھتے ہیں:

(١٣٥) البحر المحيط الثجاج ج:٤، ص:٦٢٣۔

(١٣٦) عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج:٣، ص: ٢٥١، باب كيف فرضت الصلوٰة في الإسراء۔

"ادّعت هؤلاء الجهلة أن الله -عزوجل- لايحيى احداً في القبر قبل وقت البعث ... فاسمعوا خبراًيدل على... أن الله -عزوجل- يحيى المقبور قبل البعث يوم القيامة كمالم يكن ذكرته في أبواب عذاب القبراذليس في الأخبار التي أذكرهاذكر العذاب انمافيها ذكرالاحياء في القبر دون العذاب . حدثنا يوسف بن موسىٰ قال ثنا جرير عن سليمان التيمي عن أنسؓ قال: قال رسول الله -ﷺ-: مررت على موسى وهو يصلي في قبره."(١٣٧)

"ان (منکرینِ حیاتِ قبر) جاہلوں نے دعوی کیا کہ اللہ تعالی روزِ قیامت سے پہلے قبر میں کسی کو 'حیات' سے نہیں نوازتے۔۔۔سو ایک ایسی حدیث سنو کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ۔۔۔ اللہ تعالی قیامت کے روز اٹھانے سے پہلے مدفون کو حیات عنایت فرماتے ہیں۔ یہ حدیث میں نے ابوابِ عذابِ قبر میں ذکر نہیں کی اس لیے کہ اس میں عذابِ قبر کا ذکر نہیں ہے، صرف قبر میں حیات عنایت کیے جانے کا ذکر ہے، عذاب کا نہیں۔ ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں جریر نے حدیث سنائی سلیمان تیمی سے انہوں نے حضرت انسؓ سے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ

(١٣٧) التوحيد لابن خزيمة ص:٣٧٦-٣٧٥، ط: دارالكتب العلمية۔

رہے تھے۔"

اس عبارت میں امام ابن خزیمہؒ کا قبر میں صلوٰۃِ موسیٰ کی حدیث سے قبر میں حیات کا اثبات ظاہر ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس حدیث سے حیاۃ الانبیاء فی القبور کو ثابت کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"الأنبیاء أحیاء فی قبورهم وقد یصلون کما ثبت عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: مررت بموسیٰ لیلة أسری بی یصلی فی قبره "۔(المسائل لابن تیمیةؒ جلد: ۴، صفحة: ۱۹۱، طبعة دار عالم الفوائد)

"انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے"۔

امام تقی الدین السبکیؒ (علی بن عبد الکافی) متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

"ویشهد له صلوٰة موسیٰ –علیه السلام– في قبره فان الصلوٰة تستدعي جسداً حیاً وکذلک الصفات المذکورة في الأنبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الأجسام ... فلیس في العقل مایمنع من اثبات الحیاة الحقیقیة لهم وأما الادراکات کالعلم والسماع

فلاشک أن ذلک ثابت وسنذکر ثبوته لسائر الموتیٰ فکیف بالأنبیاء؟."(۱۳۸)

"اس (انبیاء علیہم السلام کی حیات بعدِ وفات اجسام وارواح کے مجموعہ کے لیے ثابت ہونے) کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ہے اس لیے کہ "نماز پڑھنا" زندہ جسم کو مستلزم ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی جو صفات شبِ معراج کی حدیث میں مذکور ہیں، وہ سب اجسام کی صفات ہیں۔۔۔ اس لیے ان (انبیاء علیہم السلام) کے لیے حقیقی (جسمانی) حیات ثابت کرنے میں عقلاً کوئی مانع نہیں۔ اور شعور وادراک مثلاً جاننا، سننا سو یہ بے شک ان کے لیے ثابت ہے۔ ہم آگے باقی اموات کے لیے اس کے ثبوت کے دلائل ذکر کریں گے، پھر انبیاء علیہم السلام کے لیے یہ ادراک کیسے ثابت نہ ہو؟"

حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

"یجوز أن یکون لروحه اتصال بجسده في الأرض فلذلک یتمکن من الصلوٰة وروحه مستقرة في السماء."(۱۳۹)

"آپ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کی روح کا زمین (یعنی قبر) میں موجود

---

(۱۳۸) شفاء السقام في زیارة خیر الأنام للامام السبکيؒ ص: ۱۹۲–۱۹۱ وذکره علي الحلبي في السیرة الحلبیة ج: ۲، ص: ۴۳۲ عن السبکي۔

(۱۳۹) فتح الباري ج: ۷، ص: ۲۶۲، ط: دار السلام–بیروت۔

اپنے جسم سے اتصال ممکن ہے اسی (اتصال) کی وجہ سے آپ نماز پڑھنے پر قادر ہوتے ہیں جب کہ آپ کی روح آسمان (علیین) میں ہے۔"

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"وقد استشکل رؤیة الأنبیاء في السماوات مع أن أجسادهم مستقرة في قبورهم بالأرض وأجیب بأن أرواحهم تشکلت بصور أجسادهم أو أحضرت أجسادهم لملاقاة النبي -ﷺ- تلک اللیلة تشریفاً له وتکریماً ویؤیده حدیث عبدالرحمن بن هاشم عن أنس ؓ ففیه: وبعث له آدم فمن دونه من الأنبیاء، فافهم."(۱۴۰)

"انبیاء علیہم السلام کے اجسام ان کی زمینی قبروں میں ہونے کے باوجود آسمانوں میں ان حضرات کے (شب معراج میں) نظر آنے پر اشکال کیا جاتا ہے، سو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان کی ارواح نے ان کی جسمانی صورتوں کی شکل اختیار کر لی تھی یا اس (معراج کی) رات کو آپ ﷺ کے اعزاز واکرام میں آپ سے ملاقات کے لیے ان حضرات (انبیاء) کے اجسام کو (آسمانوں میں) حاضر کر دیا گیا تھا۔ اس کی تائید حضرت عبدالرحمٰن بن ہاشم کی حضرت انسؓ سے روایت کی گئی حدیث سے ہوتی ہے، چنانچہ اس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کے

(۱۴۰) فتح الباري ج:۷، ص:۲۶۳ ومثله في عمدة القاري، جلد:۱۱، صفحة:۶۰۴، باب المعراج وسبل الهدى والرشاد ج:۳، ص:۱۱۴۔

لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر (مبعوث ہونے والے) سب انبیاء علیہم السلام کو (چلتی پھرتی دنیوی زندگی کے ساتھ) زندہ کر کے اٹھایا گیا، خوب سمجھ لو۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اس عبارت میں آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات کی نوعیت میں دو قول ذکر کیے، پہلے قول کے مطابق یہ تجسد ارواح کی قبیل سے تھا کہ ارواح جو کہ وہاں (علیین) میں تھیں، وہ ان کی دنیوی صورتوں سے متشکل ہوئی تھیں اور دوسرے قول میں دنیوی اجسام کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو اوپر لے جائے جانے کا ذکر ہے۔ پہلے عباراتِ اکابر اس پر گزر چکی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے آپ ﷺ کی یہ ملاقات حقیقی اور جسمانی تھی۔ حافظؒ نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے حضرت انسؓ کی روایت سے اس (ثانی الذکر قول) کو مدلل کر دیا۔ حضرت انسؓ کی یہ روایت امام طحاوی "(ابوجعفر احمد بن محمد) متوفی ۳۲۱ھ نے سندِ حسن کے ساتھ اس طرح ذکر کی ہے:

"عن عبدالرحمن بن هاشم بن عتبة بن أبي وقاص عن أنس بن مالک ؓ أن رسول الله -ﷺ- لما جاء بیت المقدس في اللیلة التي أسري به الیه فیها بعث له آدم ومن دونه من الأنبیاء -علیهم السلام- وأمهم رسول الله -ﷺ-."(۱۴۱)

"حضرت عبدالرحمٰن بن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(۱۴۱) شرح مشکل الآثار ج:۱۲، ص:۵۳۸ وکذا فی تهذیب الآثار للطبري ج:۱، ص:۴۱۱ (مطولاً) تفسیر الطبري ج:۱۵، ص:۶، الأحادیث المختارة للضیاء المقدسي ج:۳، ص:۸، رقم الحدیث ۲۲۷۷، دلائل النبوة ج:۲، ص:۳۶۲-۳۶۱، الدر المنثور ج:۹، ص:۵۲، تفسیر ابن کثیر ج:۵، ص:۱۱، امتاع الأسماع للمقریزي ج:۸، ص:۲۵۵، وبلفظ "نشرت لي الأنبیاء" (جاری ہے)

جس رات آپ کو (دورانِ سفرِ معراج) بیت المقدس لے جایا گیا
اور آپ بیت المقدس پہنچے تو حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء
علیہم السلام کو زندہ کر کے اٹھایا گیا اور آپ ﷺ نے ان کی امامت
کی۔"

امام ابن حبانؒ نے "صحیح ابن حبان" کی جلد ا صفحہ ۲۴۳ پر اور امام ابن خزیمہؒ نے اپنی کتاب التوحید کے صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۶ پر حیات فی القبر کے منکرین پر رد کرتے ہوئے قرآن کریم میں مذکور ایک سے زائد مرتبہ دنیوی حیات حاصل کرنے والوں کے کچھ واقعات سے اس بات کو مدلل کیا ہے کہ معراج کی شب انبیاء علیہم السلام کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا محل اشکال نہیں، نہ ہی یہ قرآن کریم یا کسی اور نص یا عقیدے کے منافی ہے۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ معراج میں انبیاء علیہم السلام کے برزخی احوال حیاتِ جسمانی کے دکھائے گئے، جیسے عاصیوں کو ہونے والے مختلف عذاب کا جسمانی ہونا دکھایا گیا۔

(بقیہ حاشیہ) عن ابن مسعودؓ في مسند أبي يعلى ج:۸، ص: ۴۵۱، رقم ۵۰۳۶، المعجم الكبير للطبراني ج:۸، صفحه (مسلسله) ۲۵۱۱، رقم الحديث ۹۹۷۶ (طبعة مؤسسة الريان-شارجة)، المستدرک على الصحيحين للحاكم، ج:۴، ص: ۶۰۵، مسند البزار ج:۵، ص: ۱۴ رقم الحديث ۱۵۶۸، تاريخ مدينة دمشق ج:۳، ص: ۵۰۲، تاريخ الاسلام للذهبيؒ (تدمری) ج: ۱، ص: ۲۴۹، حلية الأولياء لأبي نعيم ج:۴، ص: ۲۳۴، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث للهيثميؒ ج: ۱، ص: ۱۶۶، كنز العمال ج: ۱۱، ص: ۳۹۰، رقم الحديث ۳۱۸۴۱، اتحاف الخيرة المهرة للبوصيريؒ ج: ۱، ص: ۱۴۶، رقم الحديث: ۱۴۴، المطالب العالية لابن حجرؒ ج: ۱۷ ص: ۲۴۶، رقم الحديث ۴۲۳۶، مجمع الزوائد ج: ۱، ص: ۷۴، الخصائص الكبرى ج: ۱، ص: ۲۷۰، جامع الأحاديث للسيوطيؒ ج: ۱، ص: ۳۴۵، رقم الحديث: ۵۵۳۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی

حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے شب معراج میں آپ ﷺ کی ملاقات:

اس یادگار لقائے موسوی کی حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی شریف میں ہے۔

صحیح بخاری:

”عن قتادةعن أبي العالية: حدثناابن عم نبيكم يعني ابن عباسؓ عن النبي– صلى الله عليه وسلم– قال :رأيت ليلةاسرى بى موسى رجلا آدم طوالا جعد اكأنه من رجال شنوءة ورأيت عيسى رجلا مربوعاً مربوع الخلق الى الحمرةو البياض سبط الراس ورأيت مالكاًخازن النار والدجال فى ايات أراهن الله اياه ”فلاتكن فى مريةمن لقائه.“ (۱۴۲)

”(مشہور امام التفسیر) قتادہؒ حضرت ابو العالیہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں تمہارے نبی کے چچازاد بھائی یعنی حضرت ابن عباس نے نبی ﷺ سے حدیث سنائی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج پہ پہنچایا گیا اس رات میں نے حضرت موسی علیہ

(۱۴۲) صحیح بخاری مع اللامع الصبیح للامام شمس الدین البرماویؒ جلد ۹ ص: ۳۲۴ رقم الحدیث ۳۲۳۹، طبعةدار النوادر سوریة۔

السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں، دراز قد اور گھنگھریالے بالوں والے آدمی ہیں۔ جیسے (درازئ قد میں مشہور) قبیلۂ شنوءہ کے ہوں اور حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ میانہ قد اور میانہ اندام مائل بہ سرخی وسفیدی اور سیدھے بالوں والے ہیں اسی طرح داروغۂ جہنم مالک اور دجال کو بھی دیکھا دیگر قدرت کے نشانیوں کے درمیان کہ جو اللہ نے آپ ﷺ کو دکھائیں۔ (اس آیت قرآنیہ میں اسی کا ذکر ہے کہ) ”پس آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ رہئے۔“

امام ابن جریر طبریؒ (محمد بن جریر) متوفی ۳۱۰ھ حدیث بالا کے آخر میں مذکور آیت کی تفسیر میں لکھتے ہے:

” فلاتكن فى مرية من لقائه“ يقول: فلاتكن فى شك من لقائه. فكان قتاده يقول :معنى ذالک: فلاتكن فى انک لقيته أوتلقاه ليلة أسرى بک وبذلک جاء الأثر عن رسول الله–ﷺ–“. (۱۴۳)

”پس آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ رہئے“۔ (اس آیت میں اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ رہئے، چناں چہ (مشہور امام التفسیر) قتادہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیات کا مطلب یہ ہے کہ آپ کہ آپ اس بارے میں شک میں نہ رہئے، کہ آپ

(۱۴۳) تفسیر الطبری جلد: ۱۸، ص: ۶۳۶ تفسیر الأية: ۲۳ من سورة السجدة. طبعة دار عالم الكتب، الرياض۔

نے ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کی ہے یا آپ ان سے اس رات ملاقات کر لیں گے کہ جس رات آپ کو معراج پہ پہنچایا جائے گا۔ اور حدیث سے بھی (آیتِ مذکورہ کا) یہی (مطلب) ثابت ہے۔"

امام ابن جریرؒ نے اس کے بعد علمِ تفسیر میں عبور کی نبوی دعا حاصل کرنے والے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بالاسند صحیح کے ساتھ ذکر کی البتہ بخاری شریف کی درج بالا روایت آیت پر ختم ہوئی ہے، جب کہ ابن جریرؒ کی روایت کے بعد ان دو جملوں کا اضافہ ہے:

"انه قد رأى موسىٰ ولقي موسىٰ ليلة أسري به." (۱۴۴)

"یقیناً آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ نے اس رات ملاقات کی ہے کہ جس رات آپ ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا۔"

جامع المعقول والمنقول امام بیضاویؒ (عبداللہ بن عمر بن محمد) متوفی ۶۸۵ھ اپنی بے مثال اور شہرۂ آفاق تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أو من لقائك موسىٰ. وعنه –عليه السلام–: رأيت ليلة أسري بي موسىٰ رجلاً آدم طوالاً جعداً كأنه من رجال شنوءة." (۱۴۵)

"یا (آیت کا مطلب یہ ہے کہ) موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہونے کے بارے میں (آپ شک میں مت رہیے) آپ ﷺ سے مروی ہے (کہ آپ نے فرمایا) کہ جس رات مجھے معراج پر لے

(۱۴۴) تفسير الطبري ج:۱۸، ص:۲۳۶۔

(۱۴۵) تفسير البيضاوي مع حاشية القونوي ج:۱۵، ص:۲۸۰۔

جایا گیا اس رات میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا آپ گندم گوں، دراز قد اور گھنگھریالے بالوں والے ہیں، جیسے آپ بنوشنوءۃ کے لوگوں میں سے ہوں۔"

بیضاوی شریف کے مشہور شارح علامہ قونوی حنفیؒ (اسماعیل بن محمد) متوفی ۱۱۹۵ھ بیضاوی شریف کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وعنه عليه السلام". تائيد للمعنى الأخير وان المراد اللقاء في الدنيا بالجسد على ماهو الصحيح لابالروح فقط والتخصيص مع انه –عليه السلام– رأى ليلة الاسراء كثيراً من الأنبياء لأنه –عليه السلام– راجع موسىٰ –عليه السلام– في تلك الليلة في شأن الصلوات الخ". (۱۴۶)

"(بیضاوی کی عبارت کہ) "اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے" یہ آیت کے متعلق آخری معنی کی تائید میں ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات سے مراد دنیوی (زندگی میں) ملاقات ہے، جسم کے ساتھ، جیسا کہ صحیح قول ہے نہ کہ صرف روح کے ساتھ اور شب معراج میں بہت سے پیغمبروں سے ملاقات کرنے کے باوجود (موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کو) بطور خاص آیت میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

(۱۴۶) حاشية القونوي على تفسير البيضاوي ج:۱۵، ص:۲۸، ط: دار الكتب العلمية–بيروت۔

موسیٰ علیہ السلام کے پاس نمازوں کے سلسلے میں بار بار جاتے رہے۔
(یوں یہ ایک یادگار ملاقات ثابت ہوئی)۔"

بخاری شریف کی حدیثِ مذکور کے آخر میں ذکر کردہ آیت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ راوی کا کلام ہے جو حدیث کے استشہاد میں راوی نے ذکر کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام ہے اور پہلے مذکور حدیث کا حصہ ہے (ذکرہ البرماوی (محمد بن عبد الدائم المتوفی ۸۳۱ھ) فی شرح صحیح البخاری : ۹/ ۳۲۵)۔

مسلم شریف:

حدیث سابق مسلم شریف میں اس طرح ہے:

"عن قتادة عن ابی العالیة : حدثنا ابن عم نبیکم ابن عباسؓ قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : مررت لیلة اسری بی علی موسی بن عمران رجل آدم طوال جعد کأنه من رجال شنوءة ورأیت عیسیٰ بن مریم مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الرأس وأری مالکا خازن النار والدجال فی آیات اراهن اللّٰه ایاه " فلا تکن فی مریة من لقائه". (۱۴۷)

"حضرت قتادہ ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ابن عباسؓ نے حدیث سنائی وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج

(۱۴۷)صحیح مسلم مع البحر المحیط الثجاج جلد:۴، صفحة:۵۵۵ باب الاسراء۔

کی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا، آپ گندم گوں، دراز قد گھنگھریالے بالوں والے آدمی ہیں، جیسے قبیلہ شنوءة کے لوگوں میں سے ہوں۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا، آپ میانہ اندام، مائل بہ سرخی وسفیدی اور سیدھے بالوں والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم کے داروغہ "مالک" اور دجال دکھائے گئے، دیگر ان نشانیوں میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھائیں (اس آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ) سو آپ ان موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بارے میں شک مت کیجئے"۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن عطیة (المحرر الوجیز) وغیرہ کے اہم مراجع میں شامل علامہ مکی بن ابی طالب (متوفی ۴۳۷ھ) کی معروف تفسیر "الهدایة" میں ہے:

"فلا تکن فی مریة من لقائه ای فی شک من انک لقیته او تلقاه لیلة الاسراء قاله قتادة وبذلک اتی الخبر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه لقیه لیلة الاسراء . روی ابن عباسؓ ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: اریت لیلة اسری بی موسی بن عمران رجلا آدم طوالا جعدا کأنه من رجال شنوءة ورأیت عیسیٰ مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الرأس ورأیت مالکا خازن النار والدجال". (۱۴۸)

(۱۴۸)الهدایة الی بلوغ النهایة، جلد: ۹، صفحة: ۵۷۲۸و ۵۷۲۹،طبعة جامعة الشارقة شارجة۔

"پس آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) سے ملاقات کے بارے میں شک میں مت رہیے، یعنی آپ اس میں شک نہ کیجیے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے، یا مطلب یہ ہے کہ آپ شبِ معراج میں ان سے ملاقات کریں گے (اس میں شک نہ کیجیے)، یہ قتادہؒ کا قول ہے اور یہی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (موسیٰ علیہ السلام) سے شبِ معراج میں ملاقات کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج پہ لے جایا گیا مجھے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام دکھلائے گئے، وہ گندم گوں، اچھے خاصے دراز قامت اور گھنگھریالے بالوں والے ہیں، جیسے بنوشنوءۃ کے لوگوں میں سے ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا میانہ جسم، سرخی وسفیدی کی طرف مائل اور سیدھے بالوں والے ہیں، میں نے داروغہ جہنم "مالک" اور دجال کو بھی دیکھا"۔

امام ابوحیان اندلسیؒ (محمد بن یوسف متوفی ۷۴۵ھ) آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"والظاھر ان الضمیر عائد علی موسی ......ای من لقائک موسیٰ ای فی لیلۃ الاسراء ای شاھدتہ حقیقۃ......وقد وصفہ الرسول فقال آدم طوال جعد کانہ من رجال شنوءۃ حین رآہ لیلۃ الاسراء قالہ ابو العالیۃ وقتادۃ وجماعۃ من السلف". (۱۳۹)

(۱۳۹) البحر المحیط لابی حیان ، جلد:۷، صفحۃ: ۱۹۹ طبعۃ دار الکتب العلمیۃ تحت تفسیر الآیۃ :۲۳ من سورۃ السجدۃ۔

"ظاہر یہی ہے کہ (لقائہ میں) ضمیر (ہ) موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے...... (آیت کا) مطلب یہ ہے کہ آپ کی موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی ہے یعنی شبِ معراج میں (اس میں شک نہ کیجیے) یعنی آپ نے ان کو حقیقتاً دیکھا ہے......اور شبِ معراج میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اس وقت کے اوصاف (اور حلیہ) بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا، فرمایا: کہ موسیٰ علیہ السلام گندم گوں، دراز قد اور گھنگھریالے بالوں والے ہیں۔ یہ تفسیر ابو العالیۃ، قتادۃ اور سلف کی ایک جماعت نے (اس آیت کی) کی ہے۔

ترمذی شریف

ترمذی شریف میں یہ حدیث اس طرح ہے:

"عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حین اسری بی لقیت موسیٰ قال: فنعتہ فاذا رجل حسبتہ قال مضطرب، رجل الراس، کانہ من رجال شنوءۃ قال: ولقیت عیسی قال: فنعتہ قال: ربعۃ احمر کانما خرج من دیماس یعنی الحمام ورأیت ابراھیم قال وانا اشبہ ولدہ بہ قال: واوتیت باناثین احدھما لبن والأخر فیہ خمر فقال لی: خذ ایھما شئت فاخذت اللبن فشربتہ فقیل: ھدیت الفطرہ او اصبت الفطرۃ، اما انک لو اخذت الخمر غوت امتک، قال

ابو عیسیٰ: هذا حدیث حسن صحیح."(۱۵۰)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج پہ لے جایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی (حضرت ابو ہریرہؓ) فرماتے ہیں کہ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ السلام نے ان کے اوصاف (اور خدوخال) بیان کئے ،فرمایا کہ وہ ایسے آدمی ہیں (راوی کہتے ہیں) میرے خیال میں یہ کہا کہ وہ ذرا لمبے ہیں اور سنوارے ہوئے بالوں والے ہیں ،جیسا وہ قبیلہ شنوءۃ کے آدمی ہوں ،فرمایا: اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی۔فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اوصاف بھی بیان کئے فرمایا: میانہ قد کے ہیں سرخ رنگت والے ہیں (شادابی ایسی) جیسے ابھی غسل خانے سے (نہا کر) نکلے ہوں،اور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا،فرمایا: ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ میں ہوں اور مجھے دو برتن پیش کئے گئے،ان میں سے ایک دودھ (کا برتن) تھا اور دوسرے (برتن) میں شراب تھی اور مجھے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک جو آپ چاہیں پسند فرمائیں، میں نے دودھ لیا اور اس کو پی گیا تو بتایا گیا کہ آپ فطرت کی

(۱۵۰) سنن الترمذی مع التحفة ، جلد:۸، صفحة: ۵۴۰ ،رقم الحدیث : ۳۱۳۰ وهو فی صحیح البخاری بنفس الاسناد مع الفتح جلد:۶ ، صفحة: ۵۸۱ ،رقم الحدیث :۳۴۳۷ وباسناد آخر فیه جلد:۶ ، صفحة: ۵۲۰ ،رقم الحدیث : ۳۳۹۴ ،طبعة دار السلام بیروت . وكذا فی صحیح مسلم مع البحر المحیط الثجاج جلد:۴، صفحة: ۵۸۳ ،باب الاسراء وكذا فی باب جواز شرب اللبن من كتاب الاشربة مختصراً۔

راہ پا گئے یا یہ کہ آپ فطرت کو پا گئے،اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔امام ابو عیسیٰ (ترمذی) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے"۔

سابق مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تصدیق شدہ ایک مسئلے میں سائل نے سوال کیا کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور تخفیفِ نماز کے بارے میں گفتگو صرف روح سے ہوئی تھی یا روح مع الجسد سے؟ تو جواب دیا گیا کہ:

"احادیث میں اس کی تصریح نہیں ہے لیکن اطلاقات سے ظاہر یہ ہے کہ جسد کے ساتھ ہوئی تھی،اور مسجد اقصیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیع انبیاء کی جو امامت کرائی وہ صرف روحوں کی امامت تھی یا ارواح مع الاجساد کی؟ اس کے جواب میں کہا گیا :اس کی بھی روایات میں تصریح نہیں ، بظاہر اجساد کے ساتھ ہی ہے۔واللہ اعلم"(۱۵۱)

علامہ بدرالدین عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

" قلت : الانبیاء احیاء فقد راهم النبی صلی الله علیه وسلم حقیقة وقد مر علی موسیٰ علیه الصلاة والسلام وهو قائم یصلی فی قبره". (۱۵۲)

"میں کہتا ہوں: تمام انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ

(۱۵۱) فتاویٰ عثمانی:۱/۶۱ مطبوعہ مکتبہ معارف القرآن۔کراچی۔

(۱۵۲) عمدة القاری ،جلد:۳،صفحة: ۲۵۱ ، باب کیف فرضت الصلاة فی الاسراء۔

وسلم نے ان کو شبِ معراج میں حقیقتاً دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے، جبکہ آپ کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے''۔

علامہ عبد الحی لکھنویؒ ،موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے کی حدیث پر حاشیہ قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" فیه اثبات حیاة الانبیاء." (۱۵۳)

''اس میں حیات الانبیاء کا اثبات ہے (اس حدیثِ ملاقات سے حیات الانبیاء ثابت ہوتی ہے)۔''

اس لئے کہ تخصیص کا قائل کوئی نہیں کہ وفات پانے والے انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی خاص نبی یا کچھ مخصوص انبیاء علیہم السلام کی حیات ثابت ہو باقی حضرات کی نہ ہو یہ بالاتفاق باطل ہے، اس لئے جب حدیثِ ملاقات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ جسمانی بعد از وفات ثابت ہوئی تو تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ثابت ہوگئی۔

امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

"والانبیاء علیهم السلام بعد ما قبضوا ردت الیهم ارواحهم فهم احیاء عند ربهم کالشهداء وقد رأی نبینا صلی الله علیه وسلم جماعة منهم لیلة المعراج". (۱۵۴)

''اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض کئے جانے کے بعد دوبارہ لوٹا دی

(۱۵۳) التعلیق الممجد علی مؤطا محمد :۳/ ۵۱۲ ،رقم الحدیث :۹۸۰ ،طبعة دار القلم بیروت۔

(۱۵۴) کتاب الاعتقاد للبیهقیؒ: ۱۷۳، ونقله ابن حجر فی التلخیص الحبیر جلد: ۲، صفحة: ۲۹۴، کتاب الجنائز ،طبعة دار الکتب العلمیة. بیروت۔

گئیں اس لئے وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں، جیسے شہید (زندہ ہیں) اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کو شب معراج میں دیکھا ہے''۔

علامہ جعفر کتانیؒ متوفی ۱۳۴۵ھ لکھتے ہیں:

"قال السیوطیؒ ...... حیاة النبی صلی الله علیه وسلم فی قبره وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا ...... وانه صلی الله علیه وسلم اجتمع بالانبیاء لیلة الاسراء فی بیت المقدس ،وفی السماء خصوصا بموسیٰ علیه السلام." (۱۵۵)

''سیوطیؒ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تمام انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات ہمارے (اہلِ سنت) کے ہاں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہے (آگے فرمایا) اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس اور آسمان میں اکٹھے ہوئے ہیں بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔''

واضح رہے کہ ترمذی شریف میں اس حدیث کی سند بعینہ بخاری شریف کی ہے اس لئے بخاری شریف کی احادیث کی طرح صحیح ہونا ظاہر ہے۔ تفصیلی کلام کی ضرورت نہیں۔

(۱۵۵) نظم المتناثر من الحدیث المتواتر لابی عبد اللّٰه جعفر الکتانیؒ صفحة:۱۲۷ ،رقم : ۱۱۵ ،طبعه دار الکتب السلفیة .مصر۔

سنن ابوداؤد، سنن نسائی

سنن ابن ماجہ

سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ

اجسادِ انبیاء علیہم السلام خاک نہیں بنتے

زمین پر اجسادِ انبیاء حرام ہونے کی حدیث سنن ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ میں ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

”حدثنا الحسين بن علی عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال : قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فاكثروا علی من الصلاة فيه ،فان صلاتكم معروضة علی ، قال : فقالوا : يارسول اللّٰہ ! كيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت ؟ قال : يقولون : بليت ، قال : ان اللّٰہ حرم علی الارض اجساد الانبياء.“(١٥٦)

”ہم سے حسن بن علی نے حدیث بیان کی فرمایا ہم سے حسین بن علی نے حدیث بیان کی ،عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے ، انہوں نے ابوالاشعث صنعانی سے ،انہوں نے اوس بن اوسؓ سے ،فرمایا کہ: نبی

---

(١٥٦) سنن ابی داود مع شرح العینی جلد:٥، صفحة: ٤٤٠،رقم الحديث : ١٥٠٢ ،طبعة مكتبة الرشد – رياض۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک جمعہ کا دن تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ہے، سوتم اس (جمعہ کے) روز مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کردیا جاتا ہے (حضرت اوسؓ) کہتے ہیں کہ انہوں نے (صحابہؓ نے) کہا اے اللہ کے رسول! ہمارا درود کیسے آپ کو پیش کیا جائے گا جبکہ آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو حرام کردیا ہے"۔

رجالِ سند

الحسن بن علی:

یہ حسن بن علی حلوانی، ابوعلی الخلال ہذلی ہیں۔ (۱۵۷)

یہ صحیح بخاری ومسلم کے دونوں کے راوی ہیں۔ (۱۵۸)

حسین بن علی:

یہ حسین بن علی بن الولید ابوعبداللہ الجعفی ہیں، یہ بھی صحیحین کے راوی ہیں۔ (۱۵۹)

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر:

(۱۵۷) تسمیة شیوخ ابی داود للامام ابی علی الحسین بن محمد الجیانی الغسانی ،صفحة: ۷۴، رقم الترجمة: ۷۵.

(۱۵۸) تهذیب التهذیب جلد: ۲، صفحة: ۲۷۲ ،رقم الترجمة: ۵۳۰.

(۱۵۹) تهذیب التهذیب جلد: ۲، صفحة: ۳۰۸ ،رقم الترجمه: ۶۱۶.

یہ بھی صحیحین کے راوی ہیں۔ (۱۶۰)

ابوالاشعث الصنعانی:

یہ شراحیل بن آدۃ ابوالاشعث الصنعانی ہیں، یہ صحیح مسلم کے راوی ہیں، امام بخاری نے الادب المفرد میں ان سے روایت کی ہے، البتہ اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔

آگے حضرت اوس بن اوس صحابی رسول ہیں اور ان کی کوئی روایت صحیحین میں نہیں ہے، البتہ سنن اربعہ میں ہے۔

الغرض صحابیؓ تک اس سند کے سارے رجال ابوالاشعث کے علاوہ صحیحین کے رجال ہیں جب کہ ابوالاشعث مسلم شریف کے راوی ہیں، جن کی ثقاہت محتاج بیان نہیں ،اس لئے یہ سند صحیح ہے، شعیب ارنؤوط کا مسند احمد: ۲۶/۸۴ رقم: ۱۶۱۶۲ میں اس کے رجال کو صحیح بخاری کے رجال کہنا کسی طرح درست نہیں جو کہ بظاہر البانی صاحب کی اتباع کا اثر ہے، مذکورہ روایت سنن ابوداؤد کے "باب فی الاستغفار" کی آخری حدیث ہے۔

سنن ابوداؤد میں یہ روایت قدرے مفصل انداز میں "باب تفریع ابواب الجمعة" میں بھی ہے، اس کی سند کے پہلے راوی ہارون بن عبداللہ ہیں جو کہ مسلم شریف کے رجال میں سے ہیں، اس لئے وہ بھی صحیح ہے کہ بخاری ومسلم کے راویوں کی ثقاہت مسلمہ ہے۔

سنن نسائی:

ابوداؤد کی یہ مفصل روایت سنن نسائی میں اس طرح ہے:

"أخبرنا إسحاق بن منصور قال حدثنا حسین الجعفی

(۱۶۰) تهذیب التهذیب جلد: ۶، صفحة: ۲۶۶ ،رقم الترجمة: ۵۸۱ من حرف ا-

عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن أبی الأشعث الصنعانی عن اوس بن اوس عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم ،وفيه قبض ،وفيه النفخة ، وفيه الصعقة،فاكثروا علی من الصلاة فان صلاتكم معروضة علی ، قالوا يا رسول الله ! كيف تعرض صلوتنا عليک وقد ارمت أی يقولون بليت ، قال : ان الله عزوجل قد حرم علی الارض ان تأكل اجساد الانبياء عليهم السلام .» (۱۶۱)

"اسحاق بن منصور نے ہمیں حدیث بیان کی ، کہا کہ ہمیں حسین جعفی نے حدیث سنائی ،عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے ، انہوں نے ابوالاشعث صنعانی سے ، انہوں نے حضرت اوس بن اوس سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن ہے،اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے،اسی دن ان کی وفات ہوئی،اسی دن دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور اسی دن پہلی بار صور پھونکا جائے گا ،سوتم مجھ پر (اس دن) کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے،انہوں نے (صحابہؓ نے) عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ کو (وفات کے بعد) کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱۶۱) سنن النسائی مع شرحه ذخيرة العقبیٰ جلد: ۱۶ ، صفحة: ۹۳-۹۲، رقم الحديث : ۱۳۷۴ ،وكذا فی سننه الكبریٰ برقم : ۱۶۶۶ ۔

بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔"

اس روایت کے پہلے راوی اسحاق بن منصور بن بہرام کوسج ابو یعقوب تمیمی مروزی ہیں جو کہ صحیحین کے راوی ہیں۔(تهذيب التهذيب ، جلد: ۱ ،صفحة: ۲۱۸ ،رقم الترجمة : ۴۷۱ من لفظ الالف)

باقی سب راوی ابوداؤد کی روایت سابقہ کے راوی ہیں، جو کہ ابوالاشعث کے سوا سب صحیحین کے راوی ہیں، جیسا کہ گذرا،اس لئے یہ سند بھی بے غبار صحیح ہے۔

سنن ابن ماجہ:

سنن ابن ماجہ میں بھی یہ روایت اسی طرح مفصل ہے ، چنانچہ ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

"حدثنا أبوبكر بن أبی شيبة ثنا الحسين بن علی عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن أبی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوسؓ قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم، وفيه النفخة ، وفيه الصعقة، فأكثروا علی من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة علی ، فقال رجل يا رسول الله ! كيف تعرض صلوتنا عليک وقد أرمت يعنی بليت ، قال : إن الله حرم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء۔» (۱۶۲)

"ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث سنائی ،وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں

(۱۶۲) سنن ابن ماجه ، باب فی فضل الجمعة ،رقم الحديث: ۱۰۸۵ ،وبنفس السند فی باب ذكر وفاته ودفنه صلی الله عليه وسلم ،رقم الحديث : ۱۶۳۶ ۔

"حسین بن علی نے حدیث سنائی، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے، انہوں نے ابوالاشعث صنعانی سے انہوں نے حضرت اوس بن اوس سے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تمہارے افضل ایام میں سے جمعہ کا دن ہے، اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور اسی دن پہلی بار صور پھونکا جائے گا، سوتم اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے، اس پر ایک شخص (صحابیؓ) نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپ کو (وفات کے بعد) کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ توریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام کررکھا ہے کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔"

ابن ماجہ کی اس روایت کے پہلے راوی ابوبکر بن ابی شیبہ (عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ) ہیں، یہ صحیحین کے راوی ہیں اور حسین بن علی سے آگے کی سند سابقہ روایات کی طرح ہے۔ جس کے رجال ابوالاشعث کے سواسب صحیحین کے، جب کہ ابوالاشعث صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ اس لئے ابن ماجہ کی یہ روایت بھی صحیح ہے، جیسے مسلم شریف کی کوئی حدیث ہو۔

اس حدیث سے متعلق کچھ علمی اعتراضات اوران کے مفصل تحقیقی جوابات:

امام بخاری اور امام ابوحاتمؒ نے اس حدیث کی سند پر ایک اعتراض وارد کر کے اس حدیث کو منکر کہا ہے، وہ اعتراض یہ ہے کہ حسین بن علی جعفی نے اپنے شیخ کا نام اس روایت میں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ذکر کیا ہے جبکہ حسین کا سماع اس عبدالرحمٰن بن یزید

سے ثابت ہے جو کہ ابن تمیم ہیں، نہ کہ اس عبدالرحمٰن بن یزید سے جو کہ ابن جابر ہیں۔ ان میں سے ابن جابر تو ثقہ ہیں، مگر ابن تمیم ضعیف ہیں، امام شمس الدین سخاویؒ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

"وقد رد هذه العلة الدارقطني وقال ان سماع حسين من ابن جابر ثابت والى هذا جنح الخطيب". (۱۶۳)

اس علت کو امام دارقطنیؒ نے رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن جابر سے حسین کا سماع ثابت ہے، خطیبؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے (کہ حسین کا سماع ابن جابر سے ثابت ہے)"

امام سخاویؒ نے یہ کلام نقل کر کے جو اس حدیث کا دفاع کیا ہے یہ اس حدیث کی تصحیح بھی ہے اور امام ابوحاتم پر رد بھی، جس سے امام سخاویؒ کی طرف سے بھی اس علت کا رد ہو گیا ہے۔

امام دارقطنیؒ کا یہ رد ابن القیمؒ نے اس طرح ذکر کیا ہے:

"رأيت الدارقطني قد ذكر ذلك نصاً فقال في كلامه على كتاب أبي حاتم في الضعفاء : قوله : حسين الجعفي روى عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر." (۱۶۴)

"میں نے دیکھا کہ امام دارقطنیؒ نے یہ بات صراحتاً ذکر کر دی ہے، چنانچہ ابوحاتم کی کتاب الضعفاء پر کلام کرتے ہوئے انہوں نے ایک جگہ فرمایا: قولہ: "حسین الجعفی" انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر

(۱۶۳) القول البدیع، صفحة: ۱۵۳۔

(۱۶۴) جلاء الأفهام، صفحة: ۳۵۔

سے روایت کی ہے"۔

دیگر اصحابِ تراجم نے بھی حسین جعفی کا سماع حدیث عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے ثابت قرار دیا ہے علامہ امام جمال الدین مزیؒ لکھتے ہیں:

"الحسین بن علی بن الولید الجعفی ......روی عن ......
عبدالرحمن بن یزید بن جابر الدمشقی." (۱۶۵)

"حسین بن علی بن الولید جعفی ......انہوں نے......عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر دمشقی سے روایت کی ہے"۔

امام شمس الدین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"الحسین بن علی بن الولید الجعفی ......سمع
......عبدالرحمن بن یزید بن جابر". (۱۶۶)

حسین بن علی بن الولید جعفی......عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے حدیثیں سنی ہیں۔

اور سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں:

"الحسین بن علی الجعفی ......الامام القدوة الحافظ
المقرئ المجود الزاهد بقیة الاعلام ......سمع من ......
عبدالرحمن بن یزید بن جابر." (۱۶۷)

(۱۶۵) تهذیب الکمال ، جلد: ۲ ،صفحة: ۱۹۶ ،رقم الترجمة : ۱۳۰۸ ،طبعة بشار فی ثمانی مجلدات۔

(۱۶۶) تاریخ الاسلام ، جلد: ۵ ،صفحة: ۵۲-۵۳ ،الطبعة الحادی والعشرون، رقم الترجمة منها: ۸۷ ۔

(۱۶۷) سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۳۹۸،۳۹۷ ،طبعة مؤسسة الرسالة۔

"۔ حسین بن علی جعفی......امام ہیں، مقتدا ہیں، حافظ، مقری، مجود، زاہد اور بقیة السلف ہیں، انہوں نے......عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے سماعِ حدیث کیا ہے"

اور حاکم نیشاپوری (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ متوفی ۴۰۵ھ) نے المستدرک میں زیرِ نظر حدیث اس سند سے روایت کی:

"حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ،حدثنا ابو جعفر احمد بن عبدالحمید الحارثی ثنا الحسین بن علی الجعفی ثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس الثقفی قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم (الی آخر الحدیث)".

اس کے بعد فرمایا:

"هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاه." (۱۶۸)

"یہ حدیث صحیح ہے، بخاری کی شرط پر ہے مگر دونوں حضرات (امام بخاریؒ ومسلمؒ) نے یہ روایت (صحیحین میں) ذکر نہیں کی"۔

امام ذہبیؒ نے تلخیص المستدرک میں حسین بن علی جعفی کی عبداللہ بن یزید بن جابر سے اس روایت کے بارے میں حاکم نیشاپوری سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا:

"علی شرط البخاری" (۱۶۹)

"(واقعی یہ) بخاری کی شرط پر ہے"۔

(۱۶۸) المستدرک للحاکم ، جلد: ۱ ،صفحة: ۴۱۳ ،رقم الحدیث : ۱۰۲۹ ،طبعة دار الکتب العلمیة۔

(۱۶۹) حوالہ سابقہ۔

یعنی جیسے بخاری شریف کی حدیثیں صحیح ہیں، یہ بھی اس درجے کی صحیح حدیث ہے، یہ روایت اسی سند سے حاکم نیشاپوریؒ کے تلمیذ خاص امام بیہقیؒ کی السنن الکبریٰ رقم:۵۹۹۳ (باب مایؤمر به فی لیلة الجمعة ویومها) السنن الصغریٰ رقم:۶۰۵ (باب فضل الجمعة) شعب الایمان رقم:۲۷۶۸ (باب فضل الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لیلة الجمعة ویومها)معرفة السنن والآثار رقم:۲۶۸۰ (باب مایؤمر به فی لیلة الجمعة ویومها) کتاب الدعوات الکبیر، رقم:۵۲۵ (باب القول والدعاء یوم الجمعة) کتاب فضائل الاوقات ، رقم: ۲۷۵ (فصل فی الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم) میں بھی مذکور ہے، اس سند کی خاص بات یہ ہے کہ یہ شرطِ بخاری پر ہونے کے ساتھ ساتھ امام حسین الجعفی کی طرف سے ابن جابر (عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر) سے یہ صیغۂ تحدیث (حدثنا) کے ساتھ روایت کرنے کی صراحت پر مشتمل ہے جو کہ امام حسین جعفی کی طرف سے ابن جابر سے سماعِ حدیث کا صریح اقرار واعلان ہے۔

حاکمؒ نے ایک اور سند سے بھی زیر بحث حدیث روایت کی ہے، اس میں حسین جعفی سے روایت کرنے والے کا نام ابوجعفر حارثی کی بجائے ابوالبختری عبداللہ بن محمد بن شاکر آیا ہے، باقی سند درج بالا سند جیسی ہے اور اس روایت کو نقل کرکے حاکمؒ نے فرمایا:

”هذا حدیث صحیح علیٰ شرط الشیخین ولم یخرجاه“۔ (۱۷۰)

(۱۷۰) المستدرک للحاکم، ، جلد:۴،صفحة:۶۰۴، رقم:۸۶۸۱، کتاب الاموال طبعة دار الکتب العلمیة، بیروت.

نوٹ: امام ذہبیؒ اور حاکمؒ کے اس کلام کی توجیہ یہ ہے کہ ابوالاشعث اگرچہ بخاری شریف کے رجال میں سے نہیں مگر یہ بخاری کی شرط پر اترنے والے راوی ہیں کہ ان کا سماع ولقاء حضرت اوس بن اوسؓ سے ثابت ہے ،تمام اصحاب تراجم نے اس کی صراحت کی ہے، مگر ابوالاشعث چونکہ ”حدثنا“ یا ”أنبأنا“ کے ساتھ (جاری ہے)

”یہ حدیث صحیح ہے، شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر ہے، مگر ان دونوں حضرات نے یہ حدیث (صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں) نہیں لائی“۔

اس پر امام ذہبیؒ نے حاکم سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا:

”علی شرط البخاری ومسلم“. (۱۷۱)

”یہ بخاری ومسلم (دونوں حضرات) کی شرط پر ہے۔“

سنن ابوداؤد اور مسند احمد کی سند مسلم کی شرط پر، مستدرک حاکم کی ایک سند بخاری کی، جب کہ دوسری سند بخاری ومسلم دونوں کی شرط پر ہونے کی ائمہ وحفاظ کی طرف سے اس

(بقیہ حاشیہ) روایت کرنے کے عادی نہیں ”عن“ کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اسلئے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ مگر اصحاب تراجم کی صراحتِ سماع کے بعد ان کو شرطِ بخاری پر اترنے والے رواۃ میں شمار کرنے میں کوئی مانع نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرطِ بخاری پر اترنے والی صحیح احادیث کا استیعاب جس طرح صحیح بخاری میں نہیں ہے، اسی طرح بخاری کی شرط کے رجال کا استیعاب بھی اس میں نہیں ہے، جیسا کہ امام حازمیؒ (ابوبکر بن موسیٰ متوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں:

”إن قصد البخاری کان وضع مختصر فی الحدیث وأنه لم یقصد الاستیعاب لا فی الرجال ولا فی الحدیث“. (شروط الائمة الخمسة للإمام الحازمی ،ضمن ثلاث رسائل: ۱۶۳ ،طبعة مکتب المطبوعات الإسلامیة)

”امام بخاریؒ کا مقصد حدیث کی ایک مختصر کتاب کی تالیف تھی، نہ انہوں نے رجال کے استیعاب کو مقصود بنایا اور نہ ہی صحیح احادیث کے استیعاب کو“۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شرطِ لقاء وسماع بالاتفاق اصحابِ تراجم کی تصریح سے بھی پوری ہوجاتی ہے، اس لئے ابوالاشعث کی روایت کو شرطِ بخاری کے مطابق کہنا درست ہے، مگر ان کو رجال بخاری میں سے کہنا درست نہیں۔

(۱۷۱) تلخیص المستدرک بهامش المستدرک علی الحاکم فی الجزء السابق والصفحة السابقة .

صراحت کے بعد اس میں کسی قسم کے شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حسین جعفی کی روایت ابن جابر سے ثابت اور صحیح ہے، کیونکہ امام بخاریؒ کے ہاں صحتِ حدیث کی شرائط میں لقاء وسماع ایک ضروری شرط ہے۔ اور ثبوتِ سماع کے بغیر شرطِ بخاری پوری نہیں ہوتی اور امام ابوالحسن عجلیؒ (احمد بن عبداللہ بن صالح متوفی ۲۶۱ھ) حسین جعفی کے ابن جابر سے زیر بحث کے سماع کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حسين بن علی الجعفی يكنی ابوعبدالله كوفی ثقة ......سمع حسين الجعفی من عبدالرحمن بن يزيد بن جابر حديثين : حديث : اكثروا علی من الصلاة يوم الجمعة الخ" (۱۷۲)

"حسین بن علی جعفی ۔ ابوعبداللہ کنیت ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں ثقہ ہیں، حسین جعفی نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے دو حدیثیں سنی ہیں (ایک) یہ حدیث : کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو (جو کہ زیر بحث حدیث ہے)۔ (۱۷۳)

(۱۷۲) معرفة الثقات لابی الحسن العجلیؒ : ۳۰۲، رقم الترجمة : ۳۱۱، طبعة مكتبة الدار، المدينة المنورة، السعودية۔

(۱۷۳) دراصل حسین جعفی کوفہ کے ہیں اور کوفہ میں عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم آئے، حدیثیں بیان کیں حسین جعفی سمیت کوفہ کے رہنے والوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور بیان بھی کیں اس کے کچھ عرصہ بعد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کوفہ آئے تو لوگوں نے ان سے بھی حدیثیں سنیں اور دونوں کے نام اور ولدیت میں یکسانیت کی وجہ سے لوگوں نے ابن تمیمؒ کی روایات بھی ابن جابر سے جوڑ دیں، جبکہ ابن تمیم ضعیف راوی ہیں اور ابن جابر ثقہ ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

(جاری ہے)

محدث عبدالحق اشبیلی نے شاید انہی وجوہات کی بنا پر صیغۂ تمریض کے ساتھ امام بخاریؒ اور ابوحاتمؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

"إن الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء ......هذه الزيادة رواها من حديث حسين الجعفی عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن ابی الأشعث عن أوس بن أوس ......ويقال: إن عبدالرحمن هذا هو ابن يزيد بن تميم قاله البخاری وابو حاتم وهو منكر الحديث ضعيفه." (۱۷۴)

(بقیہ حاشیہ) "قلت : روی الكوفيون أحاديث عبدالرحمن بن يزيد بن تميم عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر ووهموا فی ذلك فالحمل عليهم فی تلك الأحاديث ولم يكن ابن تميم ثقة ......وأما ابن جابر فليس فی حديثه منكر."

(تاريخ بغداد للخطيب جلد: ۱۱، صفحة: ۲۷۳، رقم الترجمة: ۵۳۰۶، طبعة دارالغرب الاسلامی ،بيروت)

"میں کہتا ہوں کوفہ والوں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کی احادیث عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت کیں اس میں انہیں وہم ہوگیا اس لئے ان احادیث کے بارے میں اس طرح کرنے والے ذمہ دار ہیں، ابن تمیم ثقہ نہ تھے...... مگر ابن جابر کی حدیث منکر نہیں ہے"۔

حسین جعفی نے بھی کوفہ میں ابن یزید اور ابن جابر دونوں سے روایتیں سنیں، جن میں سے صرف دو روایتوں سماع ابن جابر سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ عجلی کی عبارت میں ہے۔ اس لئے امام بخاری اور ابوحاتم سے یہ بات مخفی رہ گئی کہ حسین کا سماع ابن جابر سے بھی ثابت ہے، اور اس وجہ سے زیر نظر حدیث کے بارے میں ان دونوں حضرات نے جمہور ائمہ حدیث سے مختلف نظریہ قائم کرلیا تھا۔ علامہ عجلیؒ کی عبارت اسی کا جواب ہے۔

(۱۷۴) الأحكام الوسطی للشيخ عبدالحق الاشبيلی، جلد: ۲، صفحة: ۴۔

"إن اللّٰـه حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء" یہ اضافہ انہوں نے (یعنی امام ابوداؤد نے) حسین الجعفی عن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث عن اوس بن اوس کی سند سے روایت کیا ہے ......اور کہا جاتا ہے کہ (اس سند میں مذکور) عبدالرحمٰن یہ ابن یزید بن تمیم ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ نے یہ کہا ہے اور یہ (عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم) منکر الحدیث اور ضعیف الحدیث ہیں۔

اس عبارت میں قائل معلوم ہونے کے باوجود صیغۂ مجہول سے ذکر کر کے محدث اشبیلیؒ نے صیغۂ مجہول کے ذریعہ اس قول کو کمزور اور مرجوح قرار دیا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ امام ابو بکر بزارؒ نے بھی مسند بزار میں ایسی ہی تعبیر کے ساتھ امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ کا قولِ مذکور ذکر کیا ہے، البتہ آخر میں اس کی وجہ تحریر کرتے ہوئے فرمایا:

"هـذا الـحديث فيه كلام منكر عن النبي صلى الله عليه وسلم فقالوا هو لعبدالرحمن بن تميم اشبه." (۱۷۵)

"اس حدیث میں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسا کلام نقل کیا گیا ہے جو منکر ہے اس لئے ان حضرات نے فرمایا کہ یہ روایت (ضعیف راوی) عبدالرحمٰن (بن یزید) بن تمیم کی لگتی ہے"۔

یعنی حدیثِ مذکور ارشادِ نبوت کی طرح نہیں لگتی اور نصوص اس حدیث کی موافقت نہیں کرتیں۔ مگر حفاظِ کبار اس دعوی کو یکسر مسترد کرتے ہیں اور اس حدیث کے متن کو بھی سند کی طرح صحیح، ثابت اور نصوص سے تائید شدہ قرار دیتے ہیں، پندرہویں صدی کے مشہور نجدی عالم شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱۷۵) مسند البزار، جلد: ۸، صفحة: ۳۴۲، رقم الحديث: ۳۴۱۱۔

وسلم نے جن الفاظِ درود کی تعلیم دی اس درود میں بھی متنِ حدیثِ مذکور کا ذکر موجود ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"قول المسلم: اللّٰهم صل وسلم على محمد يعني سلمه من الآفات الجسدية حيا وميتا......ان اجساد الانبياء لا يمكن ان تأكلها الارض ......لأن الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء اذن فاجساد الانبياء سالمة من الارض" (۱۷۶)

"مسلمان کا یہ کہنا کہ اللّٰھم صل وسلم علی محمد اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ (اے اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، جسم کو لاحق ہونے والی آفات سے زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی محفوظ فرما...... (اس دعا میں پنہاں حقیقت یہ ہے کہ) یقیناً زمین کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے کیوں کہ اللہ نے اجسام انبیاء علیہم السلام کو کھانے سے زمین کو منع کر دیا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کے اجسام زمین (کی دستبرد) سے محفوظ ہیں"۔

قبل از وفات اور بعد از وفات کے عموم کے ساتھ تشریح اس لئے کی گئی کہ درود شریف کی تعلیم خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی کے ایام میں بھی پڑھا تھا۔ بہر حال شیخ عثیمین اس عبارت میں یہ کہہ رہے ہیں کہ درود وسلام کی تمام احادیث زیرِ نظر حدیث کے مضمون کی صحت کی تائید اور متنِ مذکور کی صداقت کی تصدیق کرتی ہیں۔

(۱۷۶) شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين، رقم الحديث: ۱۳۹۶۔

اور مشکاۃ شریف کے عظیم شارح محدث ملا علی قاری (علی بن سلطان متوفی ۱۰۱۴ھ) زیرنظر حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ان اللّٰہ حرم علی الارض ای منعها ...... اجساد الانبیاء ای من ان تأکلها فان الانبیاء فی قبورهم احیاء." (۱۷۷)

"بے شک اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے یعنی زمین کو منع کردیا ہے نبیوں کے جسموں سے یعنی ان کے جسموں کو کھانے سے (زمین کو منع کردیا ہے)، کیونکہ سب انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں"۔

یعنی اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا سالم رہنا یہ ان حضرات کی حیات کا اثر ہے کہ ان کی حیات قبروں میں جسمانی ہے اور حیات والے جسم کا محفوظ اور سالم رہنا مسلم ہے، اس لئے ان نفوسِ طاہرہ کے اجسام قبروں میں سالم رہتے ہیں، اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا کہ اس حدیث کو تسلیم کرنے سے قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حیات انبیاء علیہم السلام پر وارد ساری نصوص اس زیرنظر حدیث کی مؤید ہیں اور اس کے مضمون کو ثابت کرتی ہیں، اور علامہ سیوطیؒ کا قول اس رسالے میں گزر چکا ہے کہ حیاتِ انبیاء کی حدیثیں متواتر ہیں جو کہ احکام القرآن میں امام جصاصؒ کی تصریح کے مطابق "ہر وہ خبر جس کو قبولیتِ عامہ (تلقی بالقبول) حاصل ہو اس کو درجۂ تواتر حاصل ہو جاتا ہے" سے مؤید ہے اور علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق "الحج عرفة" کی خبر واحد کو قبولیت عامہ ملنے کے بعد اس سے فرضیت کا اثبات درست ہے تو قبولیت عامہ کے بعد حیات الانبیاء کی احادیث صحیحہ سے عقیدے کا اثبات بھی درست ہوگا

(۱۷۷) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد: ۳، صفحۃ: ۲۳۸، طبعۃ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

کہ دونوں ہی دلیل کی قطعیت کو مستلزم ہیں۔

"الجامع الصغیر" کے معروف شارح محدث عبدالرؤوف مناویؒ قبروں میں اجسادِ نبویہ کے سالم رہنے کی توجیہ یہ کرتے ہیں:

"لأنها تتشرف بوقع أقدامهم عليها وتفتخر بضمهم اليها فكيف تأكل منهم." (۱۷۸)

"وجہ اس کی یہ ہے کہ زمین تو اپنے اوپر نبیوں کے قدم پڑنے میں شرف محسوس کرتی ہے اور اپنے سے نبیوں کو ملانے پر فخر محسوس کرتی ہے تو وہ کیسے ان (کے جسم کے کسی حصے) کو کھا سکتی ہے۔"

اور اپنی دوسری شرح جامع صغیر "فیض القدیر" میں اس کے ساتھ دوسری وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولأنهم تناولوا ماتناولوا منها بحق وعدل وسخرها لهم لاقامة العدل عليها فلم يكن لها عليهم سلطان." (۱۷۹)

"اور (دوسری) وجہ یہ ہے کہ ان حضرات (انبیاء علیہم السلام) نے زمین کا جو حصہ بھی حاصل کیا اس کو حق اور انصاف کے ساتھ حاصل (اور استعمال) کیا اور اللہ نے قیامِ عدل کے لیے زمین کو ان کے لیے مسخر (یعنی ان کے تابع فرمان) کردیا، اس وجہ سے زمین کا ان پر تسلط نہیں ہوتا۔"

اس لحاظ سے میت سے قبر کے مکالمے اور پشتِ زمین پر انجام پانے والے میت

(۱۷۸) التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج: ۱، ص: ۷۰۷.

(۱۷۹) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوي ج: ۲، ص: ۶۷۹–۶۷۸.

کے اعمال یاد دلا کر اُسی طرح کے سلوک کے کلامِ شکمِ ارضی کی وہ ساری احادیث زیرِ نظر حدیث کی مؤید ہیں جو طبری اور ابن کثیرؒ سمیت تمام کتبِ تفاسیر میں سورۃ الدخان کی آیت:۲۹ کے تحت مذکور ہیں یا پھر سنن ترمذی، شعب الایمان ، مسند ابو یعلی، مصنف ابن ابی شیبة ، کتاب العظمة لأبي الشیخ الاصبهانی میں اسانیدِ ثقات سے مروی ہیں۔

صاحب "الکنز مدفون" نے اس حرمتِ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ دراصل مٹی معاصی سے تطہیر کے لیے ہے (جیسے وضو معاصی کو دھوتا ہے) اس لیے گناہ گار اجسام کو قبر کی مٹی مین ملا دینے کا عمل ہے اور انبیاء علیہم السلام چونکہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اس لیے ان کے اجسادِ مطہرہ کو قبر کی مٹی میں ملا دینے کا عمل تطہیر لاحق نہیں ہوتا۔

"ان أجساد الأنبیاء -صلوات اللہ وسلامه علیهم أجمعین- محرمة علی التراب فلاتبلی لأن الأنبیاء -علیهم السلام- لاذنوب علیهم فلم یحتاجوا الی تطهیر أجسادهم بالتراب."(۱۸۰)

واضح رہے کہ یہ علت نہیں، محض نکتہ بعد الوقوع کے درجے کی حکمت ہے، اس کو مدارِ حکم بنا کر بحث نہیں کی جاتی، جیسے دیگر احکامِ شریعت کے اسرار و حکم کا حکم ہے۔

الغرض ابن جابر سے حسین جعفی کا سماعِ حدیث کا انکار عدمِ علم بالسماع کی وجہ سے ہو یا متنِ حدیث کے ثبوت میں شبہ کی بنا پر، بہر کیف ائمۂ حدیث کی ان واضح

(۱۸۰) الکنز المدفون للشیخ یونس المالکي (علی الأصح) ص: ۱۲۴، ط: مکتبة احیاء العلوم العربیة، فیصل آباد-پاکستان.

تصریحات کے پیشِ نظر غلط، نا قابلِ التفات اور مردود ہے۔

بعض حضرات نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کے ابوالاشعث سے سماع میں شک کیا ہے، کیونکہ اس لیے فضائل درود پر تیسری صدی میں محدثانہ طرز پر لکھی گئی معروف کتاب "فضل الصلوٰۃ علی النبی" میں امام اسماعیل بن اسحاق قاضی (متوفی ۲۸۲ھ) نے زیرِ بحث حدیث کی سند اس طرح ذکر کی ہے:

"حدثنا علي بن عبداللہ قال حدثنا حسین بن علي الجعفي قال: ثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر سمعته یذکر عن أبي الأشعث الصنعاني عن أوس بن أوسؓ ان رسول اللہ -ﷺ- قال الخ"(۱۸۱)

"علی بن عبداللہ نے ہمیں حدیث سنائی، فرمایا کہ ہمیں حسین بن علی جعفی نے حدیث سنائی کہ میں نے (حسین جعفی نے) عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کو ابوالاشعث صنعانی کے حوالے سے حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (آگے زیرِ بحث حدیث بیان کی)"۔

سو اس سند میں ابن جابر کا ابوالاشعث کے حوالے سے یہ حدیث بیان کرنا آیا ہے، جس سے لگتا ہے کہ ابن جابر نے ابوالاشعث سے یہ حدیث نہیں سنی تھی۔ سو ائمہ حدیث کی طرف سے اس حدیث کو بخاری یا صحیحین کی شرط پر قرار دیئے جانے کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اگر ابن جابر کا ابوالاشعث سے سماع ثابت نہ ہوتا تو ائمہ حدیث اس کو

(۱۸۱) فضل الصلوٰۃ علی النبي -ﷺ-، ص: ۳۵، رقم الحدیث: ۲۲، ط: المکتب الاسلامي.

بخاری کی شرط پر کیسے کہہ سکتے تھے؟ بالخصوص جب کہ تراجم واحوال رجال کی کتابوں میں ابن جابر کا سماع ابوالاشعث سے مذکور ومنقول ہے اور ہر حدیث کے لیے صراحتِ لقاء وسماع کی شرط کسی محدث نے بھی نہیں لگائی، بلکہ صحتِ حدیث کے لیے محض فی الجملہ سماع کا ثبوت ضروری ہوتا ہے، جو کہ یہاں موجود ہے۔ ثانیاً: حاکمؒ کی مستدرک، کتبِ بیہقیؒ نیز علامہ عجلیؒ کے حوالے سے اس حدیث کے سماع کی تصریح بھی گزر چکی ہے، لہٰذا اس شبہ کی کوئی حیثیت نہیں نہ ہی اس اعتراض میں کوئی وزن ہے۔

تحقیقِ انیق

ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماع کا مفصل ثبوت

یاد رہے کہ کتبِ رجال وتاریخ رُوات کے مصنفین متفقہ طور پر ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماع کو ثابت قرار دیا ہے، ان میں سے کسی مصنف نے "إن كان محفوظاً" جیسے الفاظ کے ساتھ کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کیا، اس لیے کہ ابن جابر میں کوئی ایسی شک کی بات نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی اسی دور میں گزرے ہیں جس دور میں ابوالاشعث کے دوسرے شاگرد گزرے ہیں، ابوالاشعث اور ابن جابر مین ایسا بعدِ زمانی نہیں کہ لقاء وسماع نہ ہو سکے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابوالاشعث کے ایک شاگرد علاء بن الحارث ہیں، جو کہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں، ان کا انتقال ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۱۳۶ھ میں ہوا ہے۔ اس حساب سے ان کی سن ولادت ۶۶ھ بنتی ہے اور عام دستور کم از کم پندرہ، بیس سال کی عمر میں سماعِ حدیث کا ہے، اس لیے علاء کا ابوالاشعث سے سماع ۸۱ھ اور ۹۰ھ کے درمیان ہوگا اور ابوالاشعث یقیناً نوے کی دہائی میں زندہ تھے۔ چنانچہ امام شمس الدین ذہبیؒ نے بہت ہی تحقیق کر کے اپنی عجب العجاب تصنیف "تاریخ الاسلام" میں ابوالاشعث

کا تذکرہ ۸۱ھ سے ۹۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں کیا اور ابن سعد کی "الطبقات" میں مذکور ابوالاشعث کی تاریخ وفات پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

"وأما ابن سعد فقال: توفي زمن معاويةؓ فوهم لأن هذا الرجل روى عنه عبدالرحمن بن يزيد بن جابر ويحيى بن الحارث الذماري وطبقتهما."(۱۸۲)

"لیکن ابن سعدؒ نے کہا کہ ان (ابوالاشعث) کی وفات حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوئی، مگر یہ ان کا وہم ہے اس لیے کہ اس شخص (ابوالاشعث) سے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر اور یحییٰ بن الحارث الذماری اور ان (دونوں) کے طبقے کے لوگ روایت کرتے ہیں۔"

اس میں امام ذہبیؒ یقین سے فرما رہے ہیں کہ ابن جابر کا ابوالاشعث سے روایت کرنا ثابت ہے، اس لئے ابن سعد کا قولِ مذکور محض وہم ہے۔

نیز حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت ۴۰-۶۰ھ ہے، اگر ابوالاشعث کا انتقال ۶۰ھ سے پہلے ہو چکا تھا تو پہلی صدی کے لوگوں میں ان کا کوئی شاگرد کیوں نہیں گزرا؟ ۱۷۰ھ کی دہائی تک ان کے شاگرد (مثلاً یزید بن ربیعہ) نظر آتے ہیں، دوسری صدی ہی میں سب شاگردوں کا ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کے شیخ (ابوالاشعث) پہلی صدی کے اختتام کے قریب تک زندہ تھے۔ کتبِ تراجم میں ۶۶ھ میں پیدا ہونے والے علاء بن الحارث کو بھی ابوالاشعث کے شاگردوں میں متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے، یہ کس بات کا غماز ہے؟ کیا ابن سعد کے قول کی بھرم رکھنے کے لیے علاء بن الحارث اور ۷۰ھ کے قریب

---

(۱۸۲) تاريخ الاسلام للذهبيؒ، ج:۲، ص:۹۴۲، وفيات ۸۱-۹۰ھ، رقم الترجمة منها:۴۴، ط:بشار.

پیدا ہونے والے ابن جابر کے طبقے میں شامل ابوالاشعث کے سارے شاگردوں کی شاگردی اور ابوالاشعث سے ان سب کے سماعِ حدیث کی نفی کر کے سب کتبِ تراجم کی تغلیط کی جائے؟ یہ تو صریح البطلان ہے، جبکہ ابن سعد نے اپنے قول پر کوئی تائیدی ثبوت بھی ساتھ ذکر نہیں کیا اور ان کے شاگردوں کے طبقے سے ابن سعد کی ذکر کردہ تاریخ وفات کی نفی ہو رہی ہے، چنانچہ امام ذہبیؒ اس کھوج میں لگے کہ حقیقت کیا ہے؟ حافظ ابن عساکرؒ سمیت ابن سعد کے بعد کے سب مورخین نے ابن سعد کا قول بلا جھجک آگے نقل کر دیا، مگر امام ذہبیؒ کی عقابی نظر ابوالاشعث کی تاریخ وفات تک محدود نہ رہ سکی۔ تہذیب الکمال کے قلمی نسخے میں ابن سعد کے قول پر نوٹ لکھ کر اپنے تردد کا پہلی مرتبہ اظہار کیا کہ اس تاریخِ وفات کی رو سے کتبِ تاریخ وتراجم میں مذکور ان کے تلامذہ کی ساری روایات ان سے منقطع ٹھہرتی ہیں۔ اپنی ''سیـــــر'' میں پہلی دفعہ ابن سعد کے قول کے خلاف قلم اٹھاتے ہوئے ۱۰۰ھ کے بعد وفات ابوالاشعث کا امکان ظاہر کر کے طبقۂ علاء بن الحارث کے شاگردوں سے ''امکان لقاء'' کی راہ ہموار کی تاکہ کتب تراجم کی تغلیط اور تمام شاگردوں کے بالانقطاع روایت کرنے کے بعید احتمال کا تدارک ہو۔ مگر امام ذہبیؒ تو تحقیق چاہتے تھے ٹھوس بنیاد پر بات کرنا چاہتے تھے، ''تاریخ الاسلام'' میں پہلے تو ۹۱-۱۰۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں ابوالاشعث کا تذکرہ شامل کر دیا، مگر یہ بھی ابن سعد کے قول سے بہت زیادہ فاصلے پر تھا، بالآخر ۸۱-۹۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں ابوالاشعث کا تذکرہ شامل کر کے حتمی فیصلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''في الكنى بعدالمائة فيحول الى هنا.''

کہ ابوالاشعث کا تذکرہ ۱۰۰ھ کے باب الکنی میں آیا ہے، اس کو وہاں سے ۸۱-۹۰ھ کے درمیان وفات پانے والوں میں لایا جائے۔

یہ امام ذہبیؒ کی تحقیق، لگن، جستجو اور اخلاص بھری محنت تھی کہ جس کے نتیجے صدیوں سے جمی یہ دھول تاریخ کے اوراق سے صاف ہوئی، **فجزاه الله عنا افضل مايعطى عباده الصابرين على شدائدالتحقيق.**

امام ذہبیؒ کے شاگرد علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدیؒ نے اپنی مشہور تصنیف الوافی بالوفیات کی جلد ۱۶ کے صفحہ ۱۲۶ پر اپنے استاد کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا:

''توفي في حدود التسعين للهجرة .''

یعنی ان (ابوالاشعث) کی وفات ۹۰ھ کی حدود میں ہوئی۔

اور ابن جابر (عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر) متوفی ۱۵۴ھ کی وفات اسی (۸۰) سال سے متجاوز عمر میں ہوئی ہے، اس حساب سے ان کی ولادت ۷۰ھ کے قریب زمانے میں ہوئی لہذا ۹۰ھ کی دہائی میں وفات پانے والے ابوالاشعث سے ۸۵ھ، ۸۶ھ کے قریب زمانے میں ان کا سماع بالکل ممکن اور کتبِ تراجم کی تصریحات کی رو سے واضح حقیقت ہے۔

ہر موضوع پر بولنے والے اور ہر سوال کا جواب تراشنے والے امام ابن القیمؒ نے ''جلاء الافہام'' میں ابن جابر کے سماع سے متعلق زیرِ نظر حدیث کی سند پر اٹھائے جانے والے اعتراض پر (بظاہر ابن سعد اور ان کی تقلید میں بعد کے مورخین کے بیان کے پیشِ نظر) ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماعِ حدیث کی بحث کو چھیڑے بغیر اس حدیث کی صحت کی تائید دیگر شواہد سے پیش کی۔ راقم الحروف نے ابن القیمؒ جیسے مضبوط علم کے حامل کے اس اسلوب کی وجہ سے اس کی تحقیق وجستجو میں پڑنا ضروری سمجھا، تاکہ ابوالاشعث سے ابن جابر کے سماعِ حدیث مدلل ہو کر سامنے آ جائے۔ الحمدللہ ابن القیمؒ کے ہم سبق امام ذہبیؒ سے گوہر

مراد ہاتھ آہی گیا۔ فجزاه الله عنا خير الجزاء.

الغرض اس روایت کی صحت آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہے، اس میں کوئی بھی علت (رجال کی ثقاہت، اتصال سند اور متنِ حدیث سے متعلق) ایسی نہیں ہے جو ثابت ہو سکے یا اس روایت کی صحت پر اثر انداز ہو سکے۔ اس وجہ سے علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عبدالہادیؒ متوفی ۷۴۴ھ کو برملا اعلان کرنا پڑا کہ:

"رواته كلهم مشهورون بالصدق والأمانة والثقة والعدالة ولذلك صححه جماعة من الحفاظ كأبي حاتم ابن حبان والحافظ عبدالغني المقدسي وابن دحية وغيرهم ولم يأت من تكلم فيه وعلله بحجة بينة."(١٨٣)

"اس (حدیث) کے سارے راوی سچائی، ایمان داری، ثقاہت و دین داری میں مشہور ہیں، اس لیے حفاظ کی ایک پوری جماعت نے اس (حدیث) کو صحیح قرار دیا ہے، جیسے ابوحاتم بن حبانؒ، حافظ عبدالغنی مقدسیؒ، ابن دحیہؒ وغیرہ۔ اور اس (حدیث کی صحت) پر اعتراض کرنے والوں اور علت نکالنے والوں نے (اپنے دعویٰ پر) کوئی واضح ثبوت (کہیں) پیش نہیں کیا۔"

اس حدیث کو صحیح قرار دینے والی جماعتِ حفاظ میں امام سخاویؒ نے کچھ اور حضرات کا بھی ذکر کیا ہے، چناں چہ فرمایا:

"رواه ... ابن حبان وابن خزيمة والحاكم في

(١٨٣) الصارم المنكي لابن عبدالهادي، ص: ٢١٠، ط: مؤسسة الريان-بيروت.

صحاحهم وقال: هذا حديث صحيح على شرط البخاري ولم يخرجاه وكذا صححه النووي في الأذكار وقال الحافظ عبدالغني: انه حسن صحيح، وقال المنذري: انه حسن، قال ابن دحية: انه صحيح محفوظ بنقل العدل عن العدل في كلام له فيه تطويل وتهويل."(١٨٤)

"یہ حدیث...... (اسی طرح) ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے اپنی اپنی "صحیح" میں روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری کی شرط پر ہے، مگر بخاری اور مسلم میں نہیں ہے۔ اسی طرح امام نوویؒ نے اپنی "الأذکار" میں اس (حدیث) کو صحیح کہا اور حافظ عبدالغنیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔ منذریؒ نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابن دحیہؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے (ہر قسم کی علت سے) محفوظ ہے، ثقہ کی ثقہ سے روایت ہے، (ایک ایک راوی اس کے ثقہ ہیں) آگے انہوں نے اس پر طویل اور مبالغہ آمیز کلام فرمایا"۔

(١٨٤) القول البديع للإمام السخاويؒ، ص: ١٥٢.

ائمہ اربعہ کی روایات

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

امام ابوحنیفہ کی مسانید کا مجموعہ ”جامع المسانید“ میں ہے:

”أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال: من السنة أن تأتي قبر النبي -ﷺ- من قبل القبلة وتجعل ظهرك الى القبلة وتستقبل القبر بوجهك ثم تقول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته.“ (۱۸۵)

”(امام) ابوحنیفہؒ نافعؒ سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ابن عمرؓ نے) فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ آپ حضرت نبی اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک پر قبلے کی جانب سے جائیں اور اپنی پیٹھ قبلے کی طرف کر کے اپنے چہرے کو قبلہ کی طرف کرلیں اس کے بعد یہ کہیں: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته (اے نبی! آپ پر سلامتی، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں)۔“

اس حدیث میں ہدیۂ سلام پیش کرنے کی مفصل کیفیت کا ہے کہ روضے کی طرف رخ کر کے سلام پیش کرنا چاہیے، جیسے روبرو ہو کر کسی زندہ کو سلام کرنے کا طریقہ ہے، البتہ سلام پیش کرتے وقت جس طرح آپ ﷺ کے روضے کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے سلام کرنا سنتِ ماثورہ ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے

(۱۸۵) جامع المسانيد ج: ۱، ص: ۱۷۶، رقم الحديث: ۹۴۳، كتاب الحج ومسند الامام الاعظمؒ مع شرحه للعلامة على القاريؒ ص: ۲۰۲-۲۰۱.

کے دونوں ہمخواب ساتھیوں (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) کو بھی مستقل خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا سنت ماثورہ ومعہودہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ روایت قولی ہے۔ امام بخاریؒ اور ابوداؤدؒ کے استاد امام مسدد بن مسرہد کی مسند میں حضرت ابن عمرؓ کا عمل بھی سند صحیح کے ساتھ اس طرح مروی ہے کہ:

"أنه اذاقدم من سفر صلى ركعتين في مسجد النبي -ﷺ- ثم أتى القبر فقال: السلام عليك يارسول الله، السلام عليك ياأبابكر، السلام عليك ياأبتِ." (۱۸۶)

"آپؓ (ابن عمرؓ) جب سفر سے لوٹتے تو مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھتے اس کے بعد روضۂ مطہرہ کے پاس جاتے اور کہتے: السلام عليك يارسول الله، السلام عليك ياأبابكر، السلام عليك ياأبتِ۔ (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی نازل ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلامتی نازل ہو، میرے پیارے اباجان (عمرؓ)! آپ پر سلامتی نازل ہو)۔"

اور سفیان بن عیینہؒ کی روایت میں سب سے پہلے روضے پر حاضری دینے اور دو رکعت بعد میں پڑھنے کا ذکر آیا ہے:

(۱۸۶) اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للبوصيري (وقال: رواه مسدد ومحمد بن يحيى بن أبي عمرو البيهقي موقوفاً بسند صحيح) ج:۳، ص:۱۶۳، رقم الحديث: ۳۵۷۱ و كذا في المطالب العالية لابن حجرؒ برقم: ۱۲۵۰ وفضل الصلوٰة على النبي -ﷺ- ص:۸۲، رقم: ۱۰۰.

"حدثني عبدالله بن دينار قال: رأيت ابن عمرؓ اذاقدم من سفر دخل المسجد فقال: السلام عليك يارسول الله! السلام على أبي بكر، السلام على ابي ويصلي ركعتين." (۱۸۷)

"(سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں) ہمیں عبداللہ بن دینار نے بیان کیا، فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ جب وہ سفر سے واپس آتے تو مسجد (نبوی) میں داخل ہوتے اور کہتے: السلام عليك يارسول الله، السلام على أبي بكر، السلام على ابي، اور دو رکعت نماز پڑھتے۔"

یہ معمولات کے اختلاف یا نماز سے پہلے اور بعد دونوں وقت روضے پر حاضری پر محمول ہے۔

اور امام بیہقیؒ کی روایت میں روضے کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر بھی آیا ہے:

"عن نافع عن ابن عمرؓ أنه كان اذاقدم من سفر بدأ بقبر النبي -ﷺ- فصلى عليه وسلم ودعاله ولايمس القبر ثم يسلم على أبي بكرؓ ثم قال: السلام عليك ياأبتِ." (۱۸۸)

(۱۸۷) فضل الصلوٰة على النبي -ﷺ- للامام اسماعيل بن اسحاق المالكي المتوفى ۲۸۲ھ، ص:۸۲-۸۱، رقم الحديث: ۹۹، ط: المكتب الاسلامي.

(۱۸۸) شعب الايمان للبيهقيؒ ج:۶، ص:۶۳، رقم الحديث: ۳۸۵۴، ط: مكتبة الرشد-الرياض.

’’نافع حضرت (عبداللہ) بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپؓ (ابن عمرؓ) سفر سے واپس (مدینہ منورہ) آتے تو پہلے نبی کریم ﷺ کی قبر پر جاتے ،آپ ﷺ پر درود پڑھتے ،آپ کے لیے دعا کرتے جب کہ آپؓ قبر کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو سلام پیش کرتے اور اس کے بعد (حضرت عمرؓ کو سلام پیش کرتے ہوئے یہ) کہتے: اے ابا جان! آپ پر سلامتی نازل ہو۔‘‘

عقیدت اور محبت کے تقاضے ہوتے ہیں، یہاں حضرت ابن عمرؓ عقیدت کے مقامِ احترام میں کھڑے نظر آتے ہیں کہ احترام اس قدر کہ روضۂ شریفہ کو چھونے میں دل میں موجود مکینِ روضۂ مطہرہ (علیہ الصلاۃ والسلام) کی عظمت وحرمت اور جلال وہیبت آڑے آتی ہے اور آپ اپنے جذبات کی رو میں بہنے کی بجائے مقامِ نبوت سے آشنا ہونے کا ثبوت اور دوسروں کو اس مقام سے آشنائی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔

بہر حال، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی جو حدیث پیش کی مذکورہ بالا روایاتِ صحیحہ میں، وہی حدیث مختلف احادیثِ فعلیہ کی شکل میں مذکور ہے، جس سے اس حدیث کی صحت باعتبارِ سند ومتن روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے اور ان تمام روایات میں جو صیغۂ خطاب کے ساتھ سلام پیش کرنا مذکور ہے، اس میں قریب سے سماعِ صلوٰۃ وسلام کا عقیدہ مضمر ہے۔شیخ محمد العثیمین عام مردوں کے پاس جا کر صیغۂ خطاب میں سلام پیش کرنے کی تشریح کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"وقوله: "السلام عليكم" أتى بكاف الخطاب فهل الكاف هذه تدل على أنهم يسمعون لأنه لايخاطب الا من يسمع مالم يكن دليل ظاهر لئلا يورد علينا مورد

قول عمرؓ للحجر الأسود: اني لأعلم أنك حجر لاتنفع ولاتضر ولولا انني رأيت النبي -ﷺ- يقبلك ماقبلتك. فهنا خاطبه وهو حجر لكن أهل القبور هل هم يخاطبون مخاطبة الحجر أو مخاطبة السامع؟ الجواب: الظاهر الثاني أي مخاطبة السامع ... ولا نقيسهم بالحجر الأسود لأن الحجر عندنا دلالة حسية ملموسة انه لايسمع وهي أنه حجر وحتى الحجر فانه قد يسمع -أيضاً-، قال الله -تعالى- عن الأرض عموماً: يومئذ تحدث أخبارها بأن ربك أوحى لها،[الزلزال: ۵-۴]. "تحدث أخبارها" أي ماعمل عليها من خير أو شر سواء قول مسموع أو فعل مرئي فتحدث به يوم القيامة."(۱۸۹)

’’السلام علیکم، میں کاف خطاب ہے۔کیا یہ خطاب کے لیے استعمال ہونے والی (ضمیر) ’کاف‘ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ (مدفون حضرات) سن رہے ہیں؟ اس لیے کہ خطاب اسی کو کیا جاتا ہے جو سن رہا ہوتا ہے جب تک (اس کے خلاف) واضح دلیل نہ ہو، یہ (قید) اس لیے کہ حجرِ اسود سے حضرت عمرؓ کے (خطاب پر مشتمل) اس قول سے اعتراض نہ ہو کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہی ہے، نہ تو کسی کو نفع

(۱۸۹) الشرح الممتع على زاد المستقنع، ج:۵، ص: ۳۸۵-۳۸۴، ط: دار ابن الجوزي.

پہنچا سکتا ہے نہ کسی کا نقصان کرسکتا ہے۔ اگر میں جناب نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا' سو اس میں آپؓ نے پتھر کو مخاطب بنایا ہے۔ اب قبر والوں کو (کاف ضمیر سے) خطاب کرنا پتھر کو خطاب کرنے کی طرح ہے یا کسی سننے والے کو خطاب کرنے کی قبیل سے ہے؟ جواب یہ ہے کہ ظاہر تو یہ ہے کہ ثانی صورت ہے یعنی یہ (مدفون لوگوں کو خطاب کرنا) کسی سننے والے کو خطاب کرنے کی قبیل سے ہے۔ ہم ان (مدفون) لوگوں کو حجرِ اسود پر قیاس نہیں کریں گے کیوں کہ اس پتھر کے بارے میں حسی اور مشاہداتی دلیل موجود ہے کہ وہ نہیں سنتا اور وہ (دلیل) یہ ہے کہ وہ (جامد) پتھر ہے۔ بلکہ (شرعی نصوص سے تو معلوم ہوتا ہے کہ) پتھر بھی کبھی سن لیتا ہے۔ اللہ تعالی نے زمین کے بارے میں مطلقاً (پہاڑ اور پتھریلی قطعاتِ ارضیہ کو بھی شامل کرکے) فرمایا: اس روز وہ (زمین) اپنی خبریں بتادے گی اس لیے کہ اس کے رب نے اسے حکم دیا ہے۔ سو "زمین کی خبروں" سے مراد زمین پر جو بھی کام اچھا یا برا انجام دیا گیا ہے، خواہ وہ عمل سننے سے متعلق ہو یا دیکھنے سے متعلق زمین قیامت کے روز سب کچھ بتادے گی۔"

لیکن کوئی آدمی اگر زمین کے کسی پتھریلے حصے پر سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ الفاظ ادا کرتا ہے، تو پتھریلی زمین اس کو سن لیتی ہے تبھی تو قیامت کے روز وہ متعلقہ شخص کے اس عملِ خیر کی گواہی دے گی۔ پھر تو پتھر کا سننا بھی ثابت ہوجاتا ہے۔ اس سے کاف خطاب کا علی العموم سننے والے کے لیے مستعمل ہونا ظاہر ہوتا ہے، جب کہ مخاطب کے روبرو استعمال

ہو۔

اب مدفون لوگ مطلقاً (یعنی نبی اور غیر نبی) کاف خطاب کے ساتھ کیے گئے سلام کو سنتے ہیں، اس کی دلیل کیا ہے؟ شیخ عثیمین لکھتے ہیں:

"وقد ذکر ابن القیمؒ في کتاب الروح حدیثاً عن النبي ﷺ: ما من مسلم یمر بقبر أخیه کان یعرفه في الدنیا فیسلم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام فلا یبعد أن یکون أهل المقبرة عموماً إذا سلم علیهم یسمعون."(190)

"ابن القیمؒ نے کتاب الروح میں نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی (جس میں) ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جو اس کو دنیا میں جانتا تھا اور یہ اس کو (اس کی قبر کے پاس سے گزرتے وقت) سلام کرتا ہے تو اللہ اس میں اس کی روح لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مطلقاً (نبی و غیر نبی) اہلِ قبور (قریب سے کیے گئے) اسلام کو سن لیتے ہیں۔"

آگے مانعین سماع کے مشہور استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما قول الله تعالی: انک لا تسمع الموتی [النحل: ۸۰] أي موتی القلوب فان النبي ﷺ لم یکن یخرج لأهل القبور یدعوهم."(191)

(190) الشرح الممتع ج:۵، ص:۳۸۵.

(191) الشرح الممتع ج:۵، ص:۳۸۵.

''اور باقی رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ 'آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے'، سو اس میں دل کے مردے مراد ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ قبر میں مدفون لوگوں کی طرف دعوت (وتبلیغ اسلام) کے لیے تو نہیں نکلتے تھے (کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اس طرح کی ہدایت دیں، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دل کے مردوں کے پاس تبلیغ دین کے لیے ضرور جاتے تھے جو کہ مردہ دل زندہ لوگ تھے، اس لیے آیت کا تعلق مدفون مردوں کی بجائے دل کے مردوں سے ہونا ظاہر ہے)۔''

یاد رہے کہ عام مؤمنین کے ردّ سلام کی مذکورہ حدیث ابن القیمؒ کے استاد امام ابن تیمیہؒ نے بھی اقتضاء الصراط المستقیم ص:۲۲۶ پر نقل کیا ہے اور فرمایا: صححه ابن عبد البر۔ (ابن عبدالبرؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)۔ امام ابو عبداللہ قرطبیؒ نے ''التذكرة فی أحوال الموتىٰ وأمور الآخرة'' کے صفحہ ۱۵۱ پر اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا: ''وصححه أبو محمد عبدالحق'' (ابو محمد عبدالحقؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام عبدالحق اشبیلیؒ کی ''کتاب العاقبة'' کے صفحہ:۱۱۸ پر یہ حدیث مذکور ہے۔

جب کہ بطورِ خاص نبی اکرم ﷺ کے ردّ سلام (سلام کے جواب دینے) کی حدیث سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے جس میں ردّ سلام سے متعلق حصہ بعینہٖ عام مؤمنین کے ردّ سلام سے متعلق مذکورہ بالا حدیث کی طرح ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: مامن أحد يسلم علي الارد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام." (۱۹۲)

(۱۹۲) سنن أبي داؤد ج:۲، ص:۵۳۴، باب زيارة القبور، سنن البيهقي ج:۵، ص:۲۴۵، باب زيارة قبر النبي ﷺ، مسند احمد، جلد:۲، صفحة:۵۲۷.

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی مجھے سلام پیش کرتا ہے اللہ مجھے میری روح لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

امام ابن تیمیہؒ، داود کی سند سے یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

"وهذاالحديث على شرط مسلم." (۱۹۳)

''یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔''

یعنی صحت میں اس کا درجہ مسلم شریف کی کسی حدیث کی طرح ہے، اور یہ بے غبار صحیح حدیث ہے۔ بلکہ حافظ ابن تیمیہؒ جیسے شرک وبدعات پر گہری نگاہ رکھنے والے تو عام مقابر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ سے سلام کا جواب آنے اور سلام کرنے والوں کو وہ جواب سنائی دینے کے واقعات کو بھی برحق تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"مايروى من أن قوماً سمعوا ردالسلام من قبر النبي ﷺ أو قبور غيره من الصالحين وان سعيدبن المسيب كان يسمع الاذان من القبر ليالي الحرة ونحو ذلك فهذا كله حق... والأمر أجل من ذلك وأعظم." (۱۹۴)

''یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی قبر سے سلام کا جواب سنا ہے یا کسی اور نیک شخص کی قبر سے (سلام کا جواب سنا ہے) اور سعید بن میبّب جنگ حرہ کی راتوں میں قبر (روضۂ

(۱۹۳) اقتضاء الصراط المستقیم، ص:۳۲۴، ط:دارفارس.

(۱۹۴) اقتضاء الصراط المستقیم ص:۳۷۳.

مبارکہ) سے اذان سنا کرتے تھے وغیرہ یہ سب برحق ہیں (آگے فرمایا) بلکہ معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔"

روضۂ مبارکہ سے سلام کا جواب سننے والے خوش نصیب کچھ حضرات کے واقعات راقم نے اپنی کتاب "موت سے واپسی کے ایمان افروز واقعات" میں درج کر دیئے ہیں۔اور "معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے" کا مطلب کیا ہے؟ سو مولانا ولی خان مظفر صاحب مدظلہ (بانی وچیئرمین المظفر ٹرسٹ) سمیت کئی علماء گواہ ہیں کہ چند سال پہلے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ایک معمر شاگرد مقیم مدینہ منورہ سے کراچی تشریف لائے تو کئی علماء کے سامنے بیان کیا کہ مسجدِ نبوی میں حضرت مدنیؒ کے درس کے دوران ایک شخص نے آکر حیات النبی ﷺ کے بارے میں شبہ ظاہر کیا، مدنیؒ نے وضو کے بارے میں پوچھا، نہ ہونے پر وضو کر کے آنے کا حکم دیا، اس کے بعد روضے کی طرف دیکھنے کے لیے فرمایا، سب طلباء اور اس سائل کی نگاہ روضے پر پڑی تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے سر سے ناف تک کا جسم تو سب کے سامنے تھا اور ناف سے قدم تک روضے میں مستور تھا۔ یوں آپ ﷺ سب حاضرین کو روضے میں زندہ سلامت بیٹھے تشریف فرما نظر آئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً) اور ان کھلی آنکھوں روضے میں آپ ﷺ کو زندہ مشاہدہ کرنے والے طلباء میں سے ایک طالب علم یہ بھی تھے جو علماء کے سامنے اب معمر بزرگ کی صورت میں بیٹھے واقعہ سنا رہے تھے۔

یہ تو حضرت نبی اکرم ﷺ کے متعلق ہے۔ علامہ قونویؒ (عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی) متوفی ۱۱۹۵ھ نے شرح بیضاوی میں ایک جگہ فرمایا:

"وفي الكشاف : قالوا: يجوز أن يجمع الله تعالى من أجزاء الشهيد جملة فيحييها ويوصل اليهم النعيم وان

كان في حجم الذرة، انتهیٰ. فحينئذ تكون حياتهم بالجسد ونقل صاحب الارشاد رؤيا في شأن شهداء أحد تدل على أن حياتهم جسمانية والرؤيا وان لم تكن من أسباب العلم لكنها قد تفيد قوة لأن حياتهم بالجسد."(۱۹۵)

"کشاف میں ہے کہ اہلِ علم (اہلِ سنت) کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے کچھ اجزاء جمع کر کے انہیں زندہ فرما دیتے ہیں اور انہیں (جنت کی) نعمتیں بہم پہنچاتے ہیں، اگرچہ چھوٹی جسامت میں ہوں، انتہیٰ۔ اس لیے ان کی (شہداء کی) حیات جسمانی ہے۔ 'الارشاد' کے مصنفؒ نے شہدائے احد کے بارے میں ایک خواب نقل کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی حیات (بعد الوفات) جسمانی ہے اور خواب اگرچہ اسبابِ علم میں سے نہیں ہے لیکن اس سے یقیناً اس بات کو تائید و تقویت ملتی ہے کہ ان کی حیات جسمانی ہے۔"

صاحب "الارشاد" نے کیا خواب نقل کیا ہے؟ شرح قونوی کے محشی لکھتے ہیں:

"حيث قال: رأيت في المنام سنة تسع وثلاثين وتسع مائة أني أزور قبور شهداء أحد وأنا أتلو هذه الآية وما في سورة آل عمران وأردهما متفكراً في امرهم وفي نفسي أن حياتهم روحانية أو جسمانية فبينما أنا على ذلك

(۱۹۵) حاشية القونوي على تفسير الامام البيضاوي ج:۴،ص:۳۷۳۔

اذ رأيت شاباً منهم قاعداً في قبره تام الجسد كامل الخلقة في أحسن مايكون من الهيئة والمنظر، ليس عليه شيئ من اللباس قد بدامنه مافوق السرة والباقي في القبر خلا أني أعلم يقيناً أن ذلك أيضاً كما يظهر وإنما لايظهر لكونه عورة فنظرت الى وجهه فرأيته ينظر الي مبتسماً كأنه ينبهني على أن الأمر خلاف رأيي فسبحان من علت كلمته وجلت حكمته.»(۱۹۶)

''چنانچہ (الارشاد کے مصنف'') فرماتے ہیں: ۹۳۹ھ میں میں نے خواب دیکھا کہ میں شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کررہاہوں اور (سورۂ بقرہ کی) یہ (۱۵۴ نمبر) آیت اور سورۂ آل عمران میں (حیاتِ شہداء کے بارے میں) مذکورآیت تلاوت کررہاہوں اوران (شہداء) کے بارے میں سوچ وفکر میں ان دونوں آیتوں کوبار بار پڑھ رہاہوں، میرے دل میں یہ سوچ ہوتی ہے کہ آیاان کی حیات (قبروں میں) روحانی (صرف روح سے متعلق) ہے یاجسمانی (یعنی جسد عنصری سے متعلق) ہے، میں اسی سوچ میں تھا کہ اس دوران میں ان (شہدائے احد) میں ایک نوجوان کو دیکھتاہوں جواپنی قبر میں بیٹھاہوا ہے، جسم اس کاپورا ہے، اعضاء بھی سب موجود ہیں، نہایت خوبصورت ہیئت اوردلآویز حلیہ ہے، اس پرلباس کوئی نہیں تھا، اس کے جسم کاناف

(۱۹۶) الحاشية على شرح القونوي على البيضاوي ج:۴، ص:۳۷۳، ط:دارالكتب العلمية- بيروت

سے اوپر کاحصہ نظر آرہاتھا، باقی قبر میں (مستور) تھا، البتہ مجھے اس (مستور) حصے کے بارے میں پورایقین ہوتا ہے کہ وہ بھی نظر آنے والے حصے کی طرح (زندہ جسم) ہے، مگر وہ حصہ اس لیے نظر نہیں آرہا کہ وہ ستر (کاحصہ) ہے۔ میں نے اس کے چہرے پرنظر ڈالی تو دیکھاکہ وہ مجھے لبوں پر مسکراہٹ سجائے دیکھ رہاہے، گویا مجھے تنبیہ کررہاہے کہ معاملہ میری رائے (حیاتِ شہداء محض روح سے متعلق ہونے کے گمان یاامکان) کے برخلاف ہے (اورشہداء کی یہ حیات روحانی نہیں بلکہ جسمانی ہوتی ہے جیساکہ نظر آنے والے منظر سے واضح ہے)، پس پاک ہے وہ ذات جس کاکلمہ بلند اور جس کی حکمت عظیم ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ:

موطأ امام مالک میں ہے:

''عن عبدالله بن دينار قال: رأيت عبدالله بن عمرؓ يقف على قبر النبي ﷺ فيصلي على النبي ﷺ وعلى أبي بكر وعمر.»(۱۹۷)

''عبداللہ بن دینار سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ آپؓ روضۂ رسول ﷺ کے پاس کھڑے

(۱۹۷) موطأمالک بروایة یحیی اللیثي ج:۱ص:۱۶۶، رقم الحدیث: ۳۹۷، طبعة دار إحياء التراث العربي، مصر وجامع الاصول لابن الأثيرؒ، جلد:۱، صفحة: ۲۰۷، رقم الحديث: ۲۴۸۰، ط:دارالكتب العلمية

ہوتے اور حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو ہدیۂ درود پیش کرتے۔"

رسول اللہ ﷺ کے تابع کر کے حضرات شیخینؓ پر درود پڑھنا ایسے ہی درست ہے جیسے ہر نماز میں پڑھے جانے والے درود میں "وعلی آل محمد" کہہ کر آپ ﷺ کی آل پر درود کا پڑھنا درست ہے۔(۱۹۸)

البتہ راویٔ موطأ ابومصعب زہریؒ (متوفی ۲۴۲ھ) کی روایت اس طرح ہے:

"عن عبداللہ بن دینار قال: رأیت عبداللہ بن عمرؓ یقف علی قبر النبي - ﷺ - فیصلي علی النبي - ﷺ - ویدعو لأبي بکر وعمر - رضي اللہ عنهما -."(۱۹۹)

"حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے جب کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرتے۔"

یاد رہے کہ لفظِ صلوٰۃ اور دعا میں معنوی اشتراک، ثانیاً: تبعاً غیر نبی پر صلوٰۃ کے استعمال کا ثبوت نصوص سے ہونے کی بنا پر، ثالثاً غیر نبی کے لیے تبعاً صلوٰۃ کے استعمال پر ائمہ اربعہ کے اتفاق (اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۴۷ وعمدۃ القاری ج:۶،ص:۵۵۶) کی وجہ سے موطأ کی روایت یحییٰ و روایت ابومصعب زہریؒ وغیرہ میں کوئی تعارض یا مخالفتِ ثقات کی

(۱۹۸) المنتقى شرح الموطأج: ۱،ص: ۴۰۹.

(۱۹۹) موطأمالک بروایة أبي مصعب الزهري ج: ۱،ص: ۱۹۶، رقم الحدیث: ۵۰۶ ط: مؤسسة الرسالة—بیروت.

بات نہیں ہے، نہ دونوں نا قابلِ تطبیق روایات ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی ایک روایت کو شاذ کہنا درست نہیں۔ جیسے بعض شارحینِ موطأ کا خیال ہے۔ چنانچہ بیہقیؒ کی روایت پہلے گزر چکی ہے، جس میں آپ ﷺ کے لیے "صلوۃ" و "دعا" دونوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، جس سے "صلوٰۃ" و "دعا" میں عدمِ تعارض واضح ہوتا ہے۔

چھٹی ہجری کی مشہور محدث خاتون حضرت شھدہ بنت احمد (متوفیہ ۵۷۴ھ) امام مالک سے اپنی سند سے سعید بن منصور کی روایت اس طرح نقل کرتی ہیں:

"عن نافع عن ابن عمرؓ أنه کان یأتي القبر فیسلم علی النبي - ﷺ - وعلی أبي بکر وعمر."(۲۰۰)

"نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (ابن عمرؓ) روضۂ شریفہ پر آتے، نبی کریم ﷺ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو اور حضرت عمرؓ کو سلام پیش کرتے۔"

موطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانیؒ میں ہے:

"أن ابن عمرؓ کان اذا أراد سفراً أو قدم من سفر جاء قبر النبي - ﷺ - فصلی علیه ودعا ثم انصرف."(۲۰۱)

(۲۰۰) العمدة من الفوائد والآثار والصحاح والغرائب في مشیخة شهدة، طبعة الخانجی، القاهرة— مصر، وعنها بالاسناد المتصل أبو الیمن ابن عساکر (عبدالصمد بن عبدالوهاب) المتوفی ۶۸۶ھ، ص: ۴۹، ط: دار الأرقم.

(۲۰۱) موطأ مالک بروایة محمد بن الحسن ج: ۳،ص: ۲۸۴، رقم الحدیث: ۹۴۷ (مع التعلیق الممجد) وانظر المصنف لابن أبي شیبة ج: ۷،ص: ۳۵۹، رقم الحدیث: ۱۱۹۱۵ وکذا السنن للبیهقيؒ.

"حضرت ابن عمرؓ جب سفر کا ارادہ کرتے یا سفر سے واپس آتے تو نبی کریم ﷺ کے روضے پر حاضر ہوتے، آپ کو ہدیۂ صلوٰۃ پیش کرتے، آپ کے لیے دعا کرتے پھر چلے جاتے۔"

علامہ عبدالحی لکھنویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"...وفي رواية عن نافع كان ابن عمرؓ يسلم على القبر ورأيته مائة مرة أو أكثر يأتي ويقول: السلام على النبي -ﷺ-، السلام على أبي بكر، السلام على أبي، وظاهره أنه كان دأبه وإن لم يسافر، كذا في وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى والمواهب وشرحه."(۲۰۲)

"ایک روایت میں نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ روضہ پر سلام پیش کرتے، میں (نافع) نے ان کو سو یا اس سے زیادہ مرتبہ دیکھا ہے کہ (روضہ پر) آتے اور کہتے: السلام على النبي -ﷺ-، السلام على أبي بكر، السلام على أبي، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان (ابن عمرؓ) کا معمول تھا، اگرچہ سفر نہ ہوتا۔ جیسا کہ 'وفاء الوفاء باخبار دارلمصطفی' اور 'المواهب' اور اس کی شرح میں ہے۔"

سفر کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ کے اس معمول اس معمول کا ذکر سنن سعید بن منصور میں اور اس کے حوالے سے اقتضاء الصراط المستقيم ص: ۳۶۶، خلاصة الوفاء (للسمهودی) ج: ۱، ص: ۶۲ میں ہے، نیز مصنف عبدالرزاق، ج: ۳،

(۲۰۲) التعليق الممجد على موطأمحمد ج:۳، ص: ۴۸۲، ط: دار القلم –دمشق.

ص: ۵۷۷، برقم: ۶۷۲۴ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"وروى ابن بطة في الابانة باسنادصحيح عن معاذ بن معاذ حدثناابن عون قال: سأل رجل نافعاً فقال: هل كان ابن عمرؓ يسلم على القبر؟فقال نعم، لقد رأيته مائة أو أكثر من مائة مرة كان يأتي القبر فيقوم عنده فيقول: السلام على النبي -ﷺ-، السلام على أبي بكر، السلام على عمر أبي."وفي رواية أخرىٰ ذكرها الامام أحمد محتجاًبها: "ثم ينصرف".(۲۰۳)

"الابانة" میں سند صحیح کے ساتھ ابن بطہؒ نے معاذ بن معاذ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابن عون نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ کیا ابن عمرؓ روضے پر آ کر سلام پیش کرتے تھے؟ انھوں نے کہا۔ جی ہاں۔ میں نے ان کو سو (۱۰۰) یا سو سے بھی زیادہ مرتبہ دیکھا ہے کہ وہ روضے کے پاس آ کر کھڑے ہوتے اور (سلام پیش کرتے ہوئے) فرماتے: السلام على النبي، السلام على أبي بكر، السلام على

(۲۰۳) اقتضاء الصراط المستقيم ص: ۳۲۷، شرف المصطفى لأبي سعد النيسابوري، ج:۳، ص: ۱۸۰، ط: دار البشائر، خلاصة الوفاء ج: ۱، ص: ۳۶۳، إحياء علوم الدين، جلد: ۲، صفحة: ۱۲۷، طبعة دار الخير بيروت.

عمر أبي۔ ایک اور روایت جو کہ امام احمدؒ نے دلیل میں پیش کی ہے اسمیں یہ اضافہ ہے: ثم ينصرف (یعنی اسکے بعد لوٹ جاتے)۔

ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"قال أبو بكر الأثرم: قلت لأبي عبدالله يعني أحمد بن حنبل... رأيت أهل العلم من أهل المدينة لايمسونه ويقومون ناحية فيسلمون، فقال أبوعبدالله: نعم هكذا كان ابن عمرؓ يفعل ثم قال أبوعبدالله: بأبي هو وأمي -ﷺ-" (۲۰۴)

"ابوبکر اثرمؒ کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ یعنی احمد بن حنبلؒ سے کہا کہ...... میں نے مدینہ کے اہل علم حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ اس (روضہ) کو ہاتھ نہیں لگاتے، صرف ایک طرف کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں (کیا شرعی طریقہ بھی یہی ہے؟) تو ابوعبداللہ (امام احمدؒ) نے فرمایا: جی ہاں۔ حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اس کے بعد ابوعبداللہ (امام احمدؒ) نے فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ﷺ۔"

امام شافعیؒ:

شوافع میں سے امام بیہقیؒ، علامہ سبکیؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ نے حیاۃ الانبیاء پر مستقل رسالے تصنیف کئے ہیں جو امام شافعیؒ کے مسلک کی ترجمانی کے لئے کافی ہیں۔ زیر نظر بحث میں باقی تین ائمہ کا نقطۂ نظر صراحتاً ان حضرات سے منقول ہے۔ اور امام شافعیؒ کا نقطۂ

(۲۰۴) اقتضاء الصراط المستقيم ص:۳۶۷.

نظر شارحِ صحیح بخاری علامہ ابن بطالؒ (ابوالحسن علی بن خلف) المتوفی ۴۴۹ھ کی اس صراحت سے واضح ہے کہ:

"والأمة مجتمعة على زيارة قبر الرسول وأبي بكر وعمر ولايجوز على الاجماع الخطأ قاله المهلب وكان ابن عمرؓ اذا قدم من سفر أتى قبر النبي -ﷺ- فقال: السلام عليك يارسول الله، السلام عليك ياأبابكر، السلام عليك ياأبتاه. رواه معمر عن أيوب عن نافع. (۲۰۵)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبروں کی زیارت کے بارے میں پوری اُمت کا اجماع ہے اور اجماع میں خطا ممکن نہیں۔ یہ مہلب نے کہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ جب سفر سے لوٹتے تو روضۂ رسول ﷺ میں آتے اور (ہدیہ سلام پیش کرتے ہوئے) کہتے: السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا أبا بكر، السلام عليك يا أبتاه ۔ اس کو معمر نے ایوب سے، انہوں نے نافع سے روایت کیا ہے۔

(۲۰۵) شرح صحيح البخاري لابن بطالؒ، ج:۳، ص: ۲۷۱، باب زيارة القبور، ط: مكتبة الرشد- الرياض.